ماورائے آب وگِل

سعید الظفر صدیقی

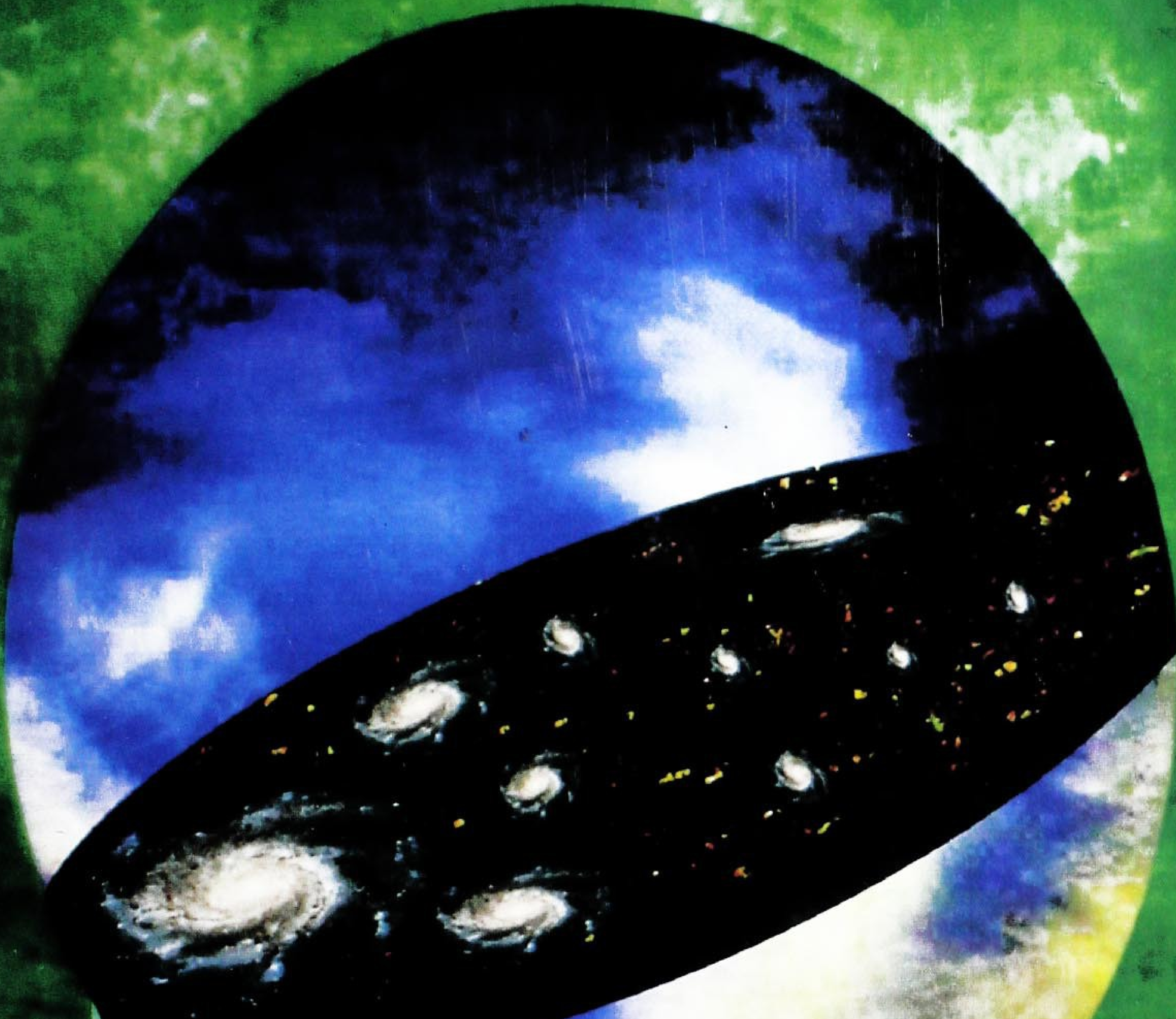

Marfat.com

ماورائے آب وگل

سعید الظفر صدیقی

ماورا

Marfat.com

باذوق لوگوں کے لیے
ہماری کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزئین واہتمام اشاعت

خالد شریف

109719

All rights of Text & Layout reserved.
No part of this book may be produced without permission otherwise legal proceeding shall be initiated.

ضابطہ

بار دوئم	:	۲۰۱۲ء
کمپوزر	:	طارق محمود (0345-4690652)
ناشر	:	ماورا پبلشرز، لاہور
طابع	:	شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت	:	-/350 روپے

خوبصورت کتب کی اشاعت کیلئے رابطہ
MAVRA BOOKS
60-The Mall, Lahore.
Ph: 36303390 - 36304063
Mob: 0300-4020955
0333-4224788
E-mail-mavrabooks@yhoo.com

Marfat.com

انتساب

میری یہ چھوٹی سی کاوش

ماورائے آب و گِل

محسنِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب

کے نام

جن کے لیے کروڑوں پاکستانی اپنے دلوں میں

محبت، عقیدت، عزت و احترام

رکھتے ہیں۔

فہرست

☆ دیباچہ — ڈاکٹر عبدالقدیر خان — 9

☆ ایک فکری زاویہ — احمد جاوید — 11

☆ پیش نظر — سعید الظفر صدیقی — 13

ماورائے آب و گِل

1- حرفِ آغاز — 17

2- ہم اور ہماری کائنات — 41

3- اس مادی کائنات کا انجام — 50

4- نظامِ شمسی — 51

5- ہمارا سورج — 54

6- ہماری زمین — 55

7- زمین اور اس پر موجود حیات کا انجام — 69

Marfat.com

-8	وقت	77
-9	آخرش سراب	90
-10	امکانات	92
-11	محدود سوچ	103
-12	انسان کا سفرِ حیات	108
-13	قصہ مختصر	115
-14	روح	121
-15	علوم	124
-16	باطنی علوم کے حصول کے ذرائع	131
-17	صوفیا کی اقسام	142
-18	سلسلہ ہائے معرفت وطریقت	143
-19	روحانی کائنات	146
-20	قیدِ کثیف سے فرار	148
-21	ہم یہ نہیں کہتے	152
-22	کتب جن سے استفادہ کیا گیا	176

☆☆..........☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

DR. A. Q. KHAN
N I & BAR, HI

"ماورائے آب و گل"

مصنفہ سعید الظفر صدیقی۔

۔تبصرہ۔

"ماورائے آب و گل" برادرم سعید الظفر صدیقی صاحب کی تصنیف کردہ ایک جواہر پارہ ہے بلکہ اگر کہوں کہ گنج ہائے گرانمایہ ہے تو غلط نہ ہوگا۔ آپ نے موجودہ دور کی مادیت اور دنیاوی لعنت پر بہت ہی آسان زبان میں روشنی ڈالی ہے اور فرمودات الٰہی کا حوالہ دے کر ہم کو اپنے دین، مذہب اور قیمتی اسلامی ورثہ سے متعارف کرایا ہے۔ آپ مطالعہ کے لیے کتاب کھولیں تو ختم کیے بغیر اس کو رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ آپ نے ان تمام حقائق سائنس پر روشنی ڈالی ہے جو ہمارے رب نے اپنے پیارے پیغمبر محمدؐ کے ذریعہ چودہ سو سال پیشتر عیاں کر دیے تھے۔ ہزار سال بعد مغربی سائنسدانوں نے اب اُن ہی رازوں کی تصدیق کرکے اپنے سر سہرا باندھنے کی کوشش کی ہے۔ جو فرد (بشمول سائنسدان) اگر اس کتاب کا سنجیدگی سے مطالعہ کرے تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ایمان پختہ کر دے گا اور اس کو احساس ہوگا کہ نہ صرف اللہ کا وجود ایک حقیقت ہے بلکہ محمدؐ اللہ کے سچے رسول ہیں اور قرآن مجید ایک الہامی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ برادرم اور ان کے عزیز و اقارب کو تندرست، خوش و خرم رکھے، حفظ و امان میں رکھے، عمر دراز کرے۔ آمین

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

Marfat.com

Marfat.com

ایک فکری زاویہ

دینی عقائد اور سائنسی نظریات کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی بے شمار کوششیں ہوئی ہیں۔ اُن میں سے اکثر عامیانہ درجے کی ہیں، علمی اور تحقیقی سطح پر اہمیت اور وقعت رکھنے والا کام بہت کم ملتا ہے۔ جناب سعید الظفر صدیقی کی یہ کتاب ''ماورائے آب و گِل'' میں مذہب اور سائنس کے تقابلی مطالعے کی روایت میں کم از کم ایک فکری زاویے کا اضافہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ صدیقی صاحب نے مذہب اور سائنس کے باہمی امتیازات کو نظر انداز کیے بغیر اس ذہن کو اسلام کی طرف راغب کرنے کا ڈول ڈالا ہے جس کی تربیت اور تکمیل کے تمام مراحل سائنس کی چھاؤں میں طے ہوئے ہیں۔ اس طرح سے یہ کتاب ایک خاص طرح کی سائنسی ذہنیت کو کامیابی سے ایک نیا سانچا فراہم کرتی ہے۔ زمین کی تشکیلِ نو کا سانچا جس میں ڈھل کر آدمی مابعد الطبیعی حقائق کو مادۂ یقین بنانے پر قادر ہوسکتا ہے۔

اس کو ایک تبلیغی کاوش سمجھنا چاہیے اور سچی بات یہ ہے کہ دورِ حاضر میں تبلیغ کا یہی منہج اور انداز ہونا چاہیے۔

احمد جاوید

Marfat.com

پیش نظر

اس کتاب کے لکھتے وقت اپنے معاشرے کا وہ مخصوص طبقہ ہر وقت میرے سامنے رہا جسے ان پڑھ افراد میں شمار کرنا ظلم اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی فہرست میں رکھنا بھی مناسب نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہی وہ طبقہ ہے جو ہمارے معاشرے میں اکثریت پر مشتمل ہے۔ اگر اس طبقہِ خاص تک بات پہنچا دی جائے تو یقیناً معاشرے کے ایک بڑے حصے تک پہنچ جائے گی۔ اس وجہ سے اس کتاب میں یہ خیال خاص طور پر رکھا گیا کہ جو بات بھی کہی جائے وہ جس حد تک بھی ممکن ہو عام فہم زبان میں کہی جائے۔ دقیق مذہبی، سائنسی اور فلسفیانہ مباحث سے گریز کیا جائے۔

اس مادیت اور لادینیت میں سرشار بے چین معاشرے کو فی زمانہ روحانیت کے آغوش میں موجود سکون و اطمینان کی از سرنو شدید ضرورت ہے۔ اس پر بھی اس کتاب میں روشنی ڈالی گئی اور ساتھ ہی ساتھ پسِ مضامین یہ بتانے کی بھی کوشش اس کتاب میں کی گئی ہے کہ سائنس دراصل اسلام کا ورثہ ہے اور مغرب میں مادی اور سائنسی ترقی بھی اسلام کے اسی ورثہ کی مرہونِ منت ہے۔

اس کتاب میں جہاں مادی اور دنیاوی حقائق کی سرابیت کو اُجاگر کیا گیا ہے وہیں روحانیت اور قربِ الٰہی و معرفت، تصوف وغیرہ کی اہمیت اور حقیقت اور ضرورت پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ جعلی پیری مریدی کی دوکانیں سجا کر بیٹھے ہوئے

شعبدے بازوں سے طالبانِ طریقت کو ہشیار و آگاہ کیا گیا ہے۔

ہر بات جس حد تک بھی ممکن ہو آسان اور عام فہم زبان میں کرنے کے ساتھ ہی ساتھ کوشش کی گئی ہے کہ اختصار سے بھی ہو۔ کیونکہ فی زمانہ بہت سے قارئین پر کتاب کی زیادہ ضخامت بار گزرتی ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب اپنے قاری کو زندگی کی صحیح ترجیحات کے تعین میں ضرور معاون و مددگار ثابت ہوگی۔

سعید الظفر صدیقی

ہرگز نہ میرد آنکہ دِلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(حافظ شیرازیؒ)

Marfat.com

Marfat.com

حرفِ آغاز

صدیوں کیا ہوتا رہا:

فہم وادراک کے ساتھ انسان اس کرۂ ارض پر ہزار ہا سال سے موجود ہے۔ اس سے پہلے زمین ہمہ اقسام کے جنگلات اور بری و بحری جانداروں سے آراستہ تھی۔ انسانی ذہن کی ترقی کے ساتھ تحقیق وتجسس جو کہ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کر رکھا ہے بڑھتا گیا۔ ''میں کہاں سے آیا ہوں؟''، ''کس لیے آیا ہوں؟'' اور ''میرا مستقبل کیا ہے؟'' نیز یہ کائنات کیا کچھ ہے، کب سے ہے، کیسے وجود میں آئی اور اس کا انجام کیا ہونا ہے وغیرہ وغیرہ۔ سوالات انسانی فکر کا محور ومرکز رہے۔ فلسفہ مذہب اور سائنس یہ تین رویے انسانی سوچ کے تین اہم رُخ رہے۔ مذہب ان میں قدیم ترین ہے۔

سائنس کی عمر مذہب کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ سائنسی فکر سے قبل انسانی سماج پر حکومتی احکامات اور مذاہب سے وابستہ عقائد کی حکمرانی رہی۔ ذہن انسانی میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات انہیں ذرائع سے وصول یا صادر کیے جاتے رہے۔ یورپ جو آج سائنسی علوم کا گہوارہ و سرخیل بنا ہوا ہے جسے اپنی اس ترقی پر ناز ہے اس کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو وہاں گزشتہ زمانوں میں سائنس اور مذہب (عیسائیت) کے درمیان واضح طور پر عرصہ دراز تک شدید تصادم کی کیفیت غالب رہی۔ اس تصادم کی وجہ غالباً ارباب کلیسا کے وہ اقدام تھے جن کے تحت انہوں نے اپنی مذہبی کتب میں اپنے ذاتی خیالات اور تیقنات کو داخل کر دیا تھا جنہیں وہ اپنے طور پر صحیح سمجھتے رہے۔ چونکہ اس زمانے میں یہ طبقہ اقتدار وحکومت پر غالب رہا۔ سو اس کی ہر طرح یہ کوشش رہی کہ

Marfat.com

اس کے ان عقائد کو بے چوں و چرا تسلیم کیا جائے۔ اس کے خلاف کہیں کوئی آواز نہ اُٹھنے پائے۔ وہ لوگ دشمن مذہب واقتدار گردانے جانے لگے جو تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر کوئی عقلی یا منطقی بات کرتے۔ ان لوگوں کو شدید سے شدید اذیت ناک سزاؤں سے گزرنا پڑتا۔ ان کی کتابیں اور لٹریچر نذرِ آتش کر دیا جاتا۔ انہیں کوڑے لگوائے جاتے۔ ان کی کھال کھچوائی جاتی۔ اس ضمن میں لکھی گئی کتابوں سے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''انگلستان کا ایک مورخ ہچیسن سٹرلنگ لکھتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں راہبوں کے گروہ جابجا گھومتے نظر آتے تھے۔ یہ جہاں بھی کوئی کتاب یا آرٹ کو کوئی نمونہ پاتے اُسے جلا دیتے تھے۔''(۱)

''سپین کی مذہبی عدالت نے، جو ۱۴۷۸ء میں قائم ہوئی تھی، عربی علوم پر یہودی علماء کے لکھی ہوئی چھ ہزار کتابیں سپردِ آتش کر دیں۔''

''۱۵۰۱ء میں پاپائے الیگزینڈر ششم (۱۴۹۲-۱۵۰۳ء) نے ایک فرمان کے رُو سے تمام پریس والوں کو ہدایت کی کہ وہ باطل عقائد (سائنس وغیرہ) پر کوئی کتاب طبع نہ کریں۔''(۲)

''برطانیہ کا ایک فلسفی جان اریجنیا سپین کے مشہور مسلم فلسفی ابن رُشد ۱۱۹۸ء کا شارح تھا۔ اس نے اپنی تصانیف میں فلسفہ و مذہب میں اتحاد کی کوششیں کی تھی۔ پادریوں نے اس کی بیشتر کتابیں جلا دیں۔''(۳)

۱- ثارچ بیراز آف ہسٹری
۲- معرکہ مذہب و سائنس
۳- معرکہ مذہب و سائنس ڈاکٹر ڈریپر، ترجمہ: مولانا ظفر علی خان

Marfat.com

سپین میں مسلمانوں کے بڑے بڑے ثقافتی مرکز چار تھے۔ قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ (ٹالیڈو) ہر مرکز میں عظیم الشان کتب خانے تھے جنہیں بعد میں پادریوں نے جلا دیا۔ صرف طلیطلہ میں وہاں کے بشپ زمینیز (Xminese) (۱۴۳۷-۱۵۱۷) نے مسلمانوں کی اسّی ہزار کتابیں سپردِ آتش کیں۔ (۱)

ڈاکٹر ڈریپر ایک سائنس دان ڈی ڈامینس کے متعلق لکھتا ہے کہ کلیسا نے اسے جیل میں ڈال دیا تھا۔ یہ وہیں فوت ہوا اور بعد از مرگ اس کی لاش کو اس کی تصانیف کے انبار پہ رکھ کر جلا دیا گیا۔ (۲)

یونان کی ایک لڑکی ہائے پیشیا (۴۱۴ء) اسکندریہ میں تحصیل علوم کے لیے آئی اور برسوں کی محنت کے بعد وہ ایک ممتاز فلسفی بن گئی۔ اسے افلاطون وارسطو کے فلسفہ اور ریاضی و ہندسہ میں بڑا درک حاصل تھا۔ اسکندریہ کے بشپ سائرل (۴۱۲ء میں بشپ مقرر ہوا تھا) نے اس لڑکی کو کافرہ قرار دیا اور ایک روز جب وہ فرائض تدریس سرانجام دینے کے لیے اپنی درسگاہ کی طرف جا رہی تھی۔ سائرل کے بھیجے ہوئے چند سنگدل راہبوں نے اسے پکڑ لیا۔ پہلے ننگا کر کے بازار میں گھسیٹا۔ پھر اسے گرجے میں لے گئے۔ وہاں تیز سیپیوں سے اس کی کھال کھرچی، پتھر سے اس کا سر توڑا۔ لاش

۱- یورپ پر اسلام کے احسان
۲- معرکہ مذہب و سائنس

Marfat.com

کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور انہیں آگ میں پھینک دیا۔(۱)

گلیلیو (۱۶۴۲ء) فلارنس (اٹلی) کا وہ مشہور ہیئت دان ہے جس نے دُوربین ایجاد کی تھی۔ جب اس نے کاپرنیکی (۱۵۴۳ء) کے نظامِ شمسی کی تائید کی تو پوپ نے اسے گرفتار کر کے مذہبی عدالت کے سامنے پیش کر دیا۔

اٹلی کے مشہور فلسفی برونو کو جو کاپرنیکی (۱۵۴۳ء) کی موت سے سات سال بعد پیدا ہوا تھا اور فلسفہ میں ابن رُشد (۱۱۹۸ء) اور اسپنوزا (ڈچ فلسفی ۱۶۷۷ء) کا پیرو تھا۔ مذہبی عدالت نے ۱۶۰۰ء میں زندہ جلا دیا۔(۲)

قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں نہ کوئی درسگاہ تھی، نہ معلم نہ مصنف۔ جب مسلمان سپین، فرانس اور سسلی میں پہنچے تو انہوں نے نہ صرف سکول اور کالج کھولے بلکہ یونیورسٹیاں قائم کیں جن میں دنیا کے ہر حصے سے طلبہ حصولِ علم کے لیے آتے تھے۔ ساتھ ہی دارالکتب قائم کیے جن میں یونان، ایران، روم، ہند اور عرب کی لاکھوں کتابیں جمع کیں۔ نسل انسانی پہ اس سے بڑا ستم کیا ہو سکتا ہے کہ جاہل اور وحشی عیسائی بادشاہوں اور پادریوں نے، اس زمانے میں کہ اہلِ علم و قلم کا شدید قحط تھا، ساٹھ لاکھ سے زیادہ کتابیں جلا دیں۔ سات لاکھ اسکندریہ میں، پندرہ لاکھ سپین میں، تین لاکھ

۱- معرکہ مذہب و سائنس، ڈاکٹر ڈریپر

۲- معرکہ مذہب و سائنس

Marfat.com

طرابلس میں، تین لاکھ سسلی میں اور کئی لاکھ قسطنطنیہ، ایشیائے خورد، فلسطین، دمشق میں۔(۱)

چوتھی صلیبی جنگ (۱۲۰۳) میں جب صلیبیوں کا مقدس لشکر قسطنطنیہ میں پہنچا تو اس نے وہاں کی تمام عیسائی آبادی کو لوٹ لیا اور ساری کتابیں جلا دیں۔(۲)

طرابلس میں اس دور کی عظیم ترین لائبریری تھی۔ جس میں کتابوں کی تعداد تین لاکھ بتائی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ جب صلیبیوں کا لشکر اس شہر میں پہنچا تو کتب خانے کو آگ لگا دی گئی۔(۳)

مندرجہ بالا قسم کی مثالوں سے تاریخ یورپ بھری پڑی ہے۔ جن سے اس کے اپنے مورخین بھی اختلاف نہیں کرتے۔ اوہام پرستی اور جاہلانہ عقائد عرصہ دراز تک ایک غالب قوت کے طور پر یورپ پر مسلط رہے اور عقلی اور سائنسی علوم کا راستہ بڑی تندہی اور جابرانہ قوت سے روکے رہے۔

قرآنِ کریم میں مسلمہ سائنسی حقائق:

اسلام دین فطرت ہے اور کلامِ الٰہی قرآنِ کریم کسی بھی قسم کی تحریف سے قطعی پاک ہے۔ اس کی کسی بھی آیت کی آج تک سائنس تردید یا اختلاف نہیں کر سکی۔ کلامِ الٰہی کی بہت سی آیات کی اگر کسی زمانے میں سائنس کے پاس توجیح نہ رہی تو آگے چل کر ترقی کے کسی مرحلے پر پہنچ کر اس نے اس کی تصدیق کی ہے۔ مثلاً اجرامِ فلکی کی خلا میں دائرے

۱- معرکہ مذہب و سائنس

۲- معرکہ مذہب و سائنس

۳- معرکہ مذہب و سائنس، ڈاکٹر ڈریپر

Marfat.com

میں گردش۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ○

''وہ قادرِ مطلق جس نے رات اور دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔'' (سورۃ انبیاء ۲۱: آیت ۳۳)

زمین سے غذا اور پانی کی فراہمی:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذَالِکَ دَحٰهَا○ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآئَهَا وَمَرْعٰهَا○

''اور اس کے بعد اس نے زمین کو بچھایا اور اس میں سے پانی اور چارہ نکالا۔'' (سورۃ النازیات ۷۹، آیت ۳۰، ۳۱)

زندگی کی ابتدا پانی سے کی گئی:

وَاللّٰهُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ط

''اور اللہ نے ہر زندہ شے پانی سے پیدا کی اور ان میں بہت سے ایسے ہیں جو پیٹ کے بل پر چلتے ہیں۔ کچھ دو پیروں پر اور کچھ چار پاؤں پر۔ اللہ وہ پیدا کرتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔''

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط

''ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا۔'' (سورۃ انبیاء ۲۱، آیت ۳۰)

Marfat.com

کائنات کے ابتدا کے زمانہ کی بات جب تمام مادہ ایک جگہ تھا:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط

''کیا وہ جونہیں مانتے (یقین نہیں رکھتے) کہ آسمان اور زمین ایک تھے پھر ہم نے ان دونوں کو جدا کیا اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا، پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔'' (سورۃ انبیاء ۲۱، آیت ۳۰)

مادی کائنات کی تخلیق سے قبل تمام مادہ دھویں کی شکل میں تھا:

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ

''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔''

قرآن حکیم نے پہلے یہ بات بتا دی ہے جو کہ علمِ فلکیات کی حالیہ دریافت ہے اور وہ یہ کہ کائنات پھیل رہی ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ o

''ہم نے آسمان کو اپنی قدرت (طاقت) سے بنایا ہے اور ہم ہی اسے وسعت دے رہے ہیں۔'' (سورۃ الذاریات ۵۱، آیت ۴۷)

کائنات کی تخلیق ۶ دنوں میں کی گئی:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ق

''اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس سب کو چھ دن میں پیدا کیا۔'' (سورۃ ق ۵۰، آیت ۳۸)

Marfat.com

وقت کے ہر جگہ Constant نہ ہونے کی بات:

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡهِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍo

''فرشتے اور (اہلِ ایمان کی روحیں) اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں اور (وہ عذاب) ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار (دنیا) کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔'' (سورۃ المعارج ۷۰، آیت ۴)

پانی کے چکر کا انکشاف:

وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحۡیٖ بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَo

''آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔''

(الروم: ۳۰-۲۴)

سطحات (Plateaux) اور پہاڑوں کا کیا کام ہے؟

پہاڑوں کے کام کی وضاحت بعض آیات میں ہے جو سائنس سے اتفاق کرتی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍo

''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلا ستون بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو اور

زمین پر پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگے اور اس پر ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اُگائے۔'' (سورۃ لقمان ۳۱، آیت ۱۰)

یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ زمین سکڑ رہی ہے جس نے انسان کو خلا کو تسخیر کرنے کی ترغیب دی۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۝

''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم اور جلد لیتا ہے حساب کو۔'' (سورۃ الرعد ۱۳، آیت ۴۱)

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۝

''اے گروہِ جن وانس اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل جاؤ مگر بغیر زور (قوت) کے نہیں نکل سکتے۔'' (سورۃ الرحمٰن ۵۵، آیت ۳۳)

چاند کی چاندنی منعکس شدہ روشنی ہے:

ابتدائی زمانے میں لوگوں کا عقیدہ یہی تھا کہ چاند کی اپنی روشنی ہے مگر اب سائنس نے یہ راز آشکار کیا ہے کہ چاند کی روشنی منعکس شدہ روشنی ہے۔ حالانکہ قرآنِ مجید نے ۱۴ سو سال قبل یہ حقیقت بے نقاب کر دی تھی:

Marfat.com

تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْھَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا۔

''بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا'' (الفرقان ۲۵-۶۱)

قرآن میں سورج کے لیے لفظ ''شمس'' استعمال کیا گیا ہے اور اسے ''سراج'' بھی کہا گیا جس کے معنی میں ٹارچ یا مشعل، جبکہ دوسری جگہ سورج کو ''وھاج'' کا نام بھی دیا گیا جس کا مطلب ہے ''جلتا ہوا چراغ'' یا ''جلتا ہوا دیا'' جس سے مراد ہے ''چمکتی ہوئی شان'' یہ تمام نام سورج کے لیے بالکل موزوں ہیں۔ کیونکہ اس کے اندر زبردست احتراق کے نتیجے میں شدید گرمی اور روشنی پیدا ہوتی ہے۔

چاند کے لیے عربی لفظ ''قمر'' استعمال کیا گیا ہے اور قمر کو قرآن میں ''منیر'' کہا گیا ہے۔ یعنی ایک ایسی چیز جو ''نور'' (منعکس شدہ روشنی) دے رہی ہے۔ دیکھیں کہ چاند سے متعلق قرآن کی تشریح چاند کی حقیقت پر کس طرح پورا اُتر رہی ہے کہ چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہے۔ بلکہ یہ سورج کی روشنی منعکس کر کے زمین کے اُوپر پھینکتا ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ قرآن مجید میں ایک بھی جگہ چاند کو ''وھاج'' یا دیا اور سورج کو ''نور'' یا ''منیر'' نہیں کہا گیا جو اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ قرآن مجید چاند اور سورج کی روشنی میں فرق سے آگاہ ہے۔ ایک اور آیت ملاحظہ ہو جو چاند اور سورج کی روشنی کی حقیقت سے متعلق ہے:

ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا

''وہی ہے جس نے سورج کو اُجالا بنایا اور چاند کو چمک دی۔'' (یونس ۱۰-۵)

کائنات کی تسخیر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے انعامات میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ

Marfat.com

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوجاتا ہے۔ ارشاد ہوا:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً ط

''کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ آسمانوں (کی بلندیوں) اور زمین کی (وسعتوں) میں جو کچھ بھی ہے اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں پوری کر دی ہیں۔'' (سورۃ لقمان ۳۱، آیت ۲۰)

آسمانوں کا معلق ہونا:

اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا.

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جو تم دیکھتے ہو۔'' (سورۃ الرعد ۱۳، آیت ۲)

رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ج یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ط اَلَا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ o

''اس نے آسمان و زمین کو حکمت سے پیدا کیا۔ وہ رات (کی ظلمت یا تاریکی) کو دن (کی روشنی) پر لپیٹتا ہے اور دن (کی روشنی) کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے کہ (ان میں سے) ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا۔ یاد رکھو وہ زبردست ہے بڑا بخشنے والا ہے۔'' (سورۃ الزمر ۳۹، آیت ۵)

Marfat.com

ہوائیں اور بادل:

وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ o

''اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو زمین و آسمان میں مقید (اور معلق) رہتا ہے دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقلِ سلیم رکھتے ہیں۔'' (سورۃ البقرہ ۲، آیت ۱۶۴)

آبی بخارات لے کر ہواؤں کا بادلوں کو لے کر چلنا اور بارش برسانا:

وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًام بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰى. اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالاً سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذَالِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ o (الاعراف ۷، آیت ۵۷)

''اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے وہ خوش کر دیتی ہیں یہاں تک کہ وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اُٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں۔ پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھول نکالتے ہیں۔ یوں ہی ہم مُردوں کو نکال کھڑا کر دیں گے تاکہ تم سمجھو۔''

ہر شے جوڑے کی شکل میں بنائی گئی:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ o

Marfat.com

''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں شاید کہ تم اس سے سبق لو۔'' (الذّٰریٰت ۵۱، آیت ۴۹)

آسمان سے برسنے والے پانی کی شفافی اور پاکی:

وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا ۝

''اور ہم نے آسمان سے پاک صاف پانی اُتارا''

یعنی آسمان سے پاک صاف ستھرا پانی برستا ہے جو ہر قسم کی گندگی اور نجاست کو دھو کر پاک کر دیتا ہے۔ اگرچہ پانی صاف ستھرا ہوتا ہے۔

ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ ۝

''پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اور وہ (اس وقت) دھواں سا تھا۔ سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی دونوں نے عرض کیا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔'' (سورۃ حٰم السجدہ ۴۱، آیت ۱۱)

شکم مادر میں تین اناٹومیکل تہوں کا ذکر:

يَخۡلُقُكُمۡ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِىۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ

پہلا ترجمہ: ''بناتا ہے تمہیں (تخلیق کرتا ہے تمہیں) ماں کے پیٹ میں ایک طرح دوسری طرح کے بعد تین اندھیروں کے بیچ۔'' (سورۃ الزمر ۳۹، آیت ۶)

دوسرا ترجمہ: وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد

Marfat.com

دوسری کیفیت پر بناتا ہے۔''

تیسرا ترجمہ: ''تمہیں تمہاری ماؤں کے بطون میں پیدا کرتا ہے اور یکے بعد دیگرے تین اندھیروں کے تخلیقی عمل سے گزارتا ہے۔''

رحم مادر میں تین اندھیرے کون سے ہیں؟

مذکورہ آیت کریمہ میں سائنسی نقطہ نگاہ سے ''تین اندھیروں'' کی وضاحت کیا ہے۔اس کی مختصر تاویل تو یہ ہے کہ یہاں تین اناٹومیکل تہوں کا ذکر کیا گیا ہے جو حمل کے دوران پیدا ہونے والے بچے (Infant) کی حفاظت کرتی ہیں۔

نطفہ، مائع کا چھوٹا سا قطرہ:

قرآن مجید میں کم وبیش گیارہ مرتبہ یہ بات کہی گئی ہے کہ انسان کو نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے۔نطفہ سے مراد ہے مائع کا چھوٹا سا قطرہ یا پیالہ کو خالی کرنے کے بعد بھی جو ایک آدھ قطرہ مائع برتن سے لگا رہ جاتا ہے۔اس کا ذکر قرآن مجید کے درج ذیل دو مقامات کے علاوہ دیگر کئی جگہ آیا ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ط (الحج-آیت ۵)

''لوگو اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے ہیں۔''

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ○ (سورۃ طٰہٰ ۲۰، آیت ۱۱۴)

Marfat.com

"(اور کہیے پروردگار! مجھے اور زیادہ علم دے (یعنی زیادہ سوجھ بوجھ عطا کر)"

میٹھے اور نمکین پانی کے درمیان "حد بندی":

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ○ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ○

"دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔" (الرّحمٰن ۵۵، آیات ۱۹-۲۰)

چیونٹی کا رہن سہن اور باہم گفتگو کا نظام:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ○ حَتّٰى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

"سلیمان علیہ السلام کے لیے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے (ایک مرتبہ وہ ان کے ساتھ کوچ کر رہا تھا) یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا "اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔" (النمل ۲۷، آیات ۱۷-۱۸)

Marfat.com

آج یہ بات قطعی تسلیم شدہ ہے کہ تحقیق کا صحیح طریقہ کار تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر ہی قابل قبول اور مصدقہ ہوتا ہے لیکن قرونِ وسطیٰ (زوالِ رومہ) کے بعد ۴۷۶ء سے ۱۵ ویں صدی تک تو یورپ میں یہ رجحان نظر نہیں آتا۔ اس درمیان اقتدارِ اعلیٰ اور مذہب (عیسائیت) کے تابع رہا جس کی بنیاد کسی طور بھی تجربات اور مشاہدات پر نہیں رہی بلکہ اس کے خلاف ہی رہی۔ جبکہ اسلامی تاریخ پر نظر ڈالیں تو آغازِ اسلام کے زمانے سے ہی تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو گیا تھا اور سترھویں صدی کے آتے آتے تک دین، فلسفہ، فلکیات، طبیعات، کیمیا، طب، ریاضی، جغرافیہ، موسیقی، فلسفہ، منطق، کائنات، نجوم، آسمان و زمین پر سائنسی حقائق پر مبنی لاکھوں کتابیں لکھی گئیں جن سے اسلامی مملکتوں میں موجود لائبریریاں بھری پڑی تھیں (تفصیل کے لیے یورپ پر اسلام کے احسانات ملاحظہ فرمائیں)

قرونِ وسطیٰ کے عہد جس کے متعلق یورپی مورخ ڈاکٹر ڈریپر ۱۸۸۲ میں لکھتا ہے:

> ''قرونِ وسطیٰ میں یورپ کا بیشتر حصہ لق و دق بیابان یا بے راہ جنگل تھا۔ کہیں کہیں راہبوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں۔ جا بجا دلدلیں اور غلیظ جوہڑ تھے۔ لندن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے جن کی چھتیں گھاس کی تھیں۔ چمنیاں، روشن دان اور کھڑکیاں نہ تھیں۔ آسودہ حال اُمراء فرش پر گھاس بچھاتے اور بھینسوں کے سینگ میں شراب پیتے تھے۔ صفائی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ گندے پانی کو نکالنے کے لیے نالیوں کا ناقص نظام تھا۔ گلیوں میں فضلے کے ڈھیر ہوتے تھے۔ سڑکوں پر بے اندازہ کیچڑ ہوتا تھا۔ روشنی کا انتظام نہ تھا رات کو جو

Marfat.com

شخص گھر سے نکلتا وہ کیچڑ میں لت پت ہو جاتا۔ تنگیٔ رہائش کا یہ عالم تھا کہ گھر کے تمام افراد اپنے مویشیوں سمیت ایک ہی کمرے میں سوتے۔ نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے روم نے سسلی اور جرمنی کے بادشاہ فریڈرک ثانی (۱۲۱۲-۱۲۵۰) پر کفر کا فتویٰ لگایا تو فہرست الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ہر روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے۔ (معرکہ مذہب و سائنس ڈاکٹر ڈریپر ترجمہ مولانا ظفر علی خاں)

۱۷ ویں صدی کے بعد یورپ اور دنیا کے دیگر ممالک (جو آج ترقی یافتہ ہیں) نے اپنا قبلہ سائنس کو بنا لیا اور گزشتہ تین صدیوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں انہوں نے بے انتہا ترقی کی۔ سو آج وہ اس میدان میں بے تاج بادشاہ ہیں۔ جبکہ اسلامی ملکوں میں اس کے برعکس ہوا اور ہو رہا ہے۔

آج جب ہم ان مذاہب سے جن میں توہمات اور غیر استدلالی عقائد (مثلاً چاند اور سورج گہن آفاتِ آسمانی کی دلیل اور بیماریوں کو جادو ٹونے اور بد روحوں اور شیاطین کا عمل) مانتے ہوں ان مذاہب سے قطع نظر کر کے دیکھیں تو اس فیصلے پر پہنچیں گے کہ ذہن انسانی کے لیے فکر کے صحیح اور مستند صرف دو ہی راستے ہیں۔ اوّل قرآنِ کریم، دوئم سائنس۔ تاریخی اعتبار سے سائنس ابھی کم عمر ہے جبکہ قرآنِ کریم انسان پر اس کے اپنے متعلق اور کائنات اور اس کے مظاہر پر گزشتہ چودہ صدیوں سے افشائے راز کرتا چلا آ رہا ہے۔ ولیم ڈریپر اپنی کتاب The intellectual Development of Europe میں اس بات کی تائید کرتا ہے کہ مسلمانوں نے عالم انسانیت پر جدید سائنس کی راہیں کھولیں۔ نیز مغربی سائنس دانوں کی تحقیقاتی کام میں پہلی اینٹ مسلم سائنس دانوں نے

Marfat.com

ہی رکھی۔

اس حقیقت سے تو کوئی بھی انحراف نہیں کر سکتا کہ قرآن معاشرتی اور سیاسی علوم کا منبع، حیاتِ انسانی کے لیے عظیم دستور العمل اور دینی علوم کی اساس ہے۔ یہ آفاقی قوانین کا سرچشمہ اور اعلیٰ ترین مذہبی لائحہ عمل ہے زندگی بسر کرنے کا علم سکھاتا ہے۔ چونکہ سب علوم زندگی ہی کا حصہ ہیں اس لیے قرآن پاک میں ہر مضمون مثلاً معاشیات، عمرانیات، نفسیات، علم لابدان، علم کائنات، سماویات، علم نباتات وحیوانات، موسمیات و ارضیات کے متعلق بلیغ اشارے ملتے ہیں۔ یہ مختصر ہونے کے باوجود اتنے جامع ہیں کہ بڑی سے بڑی سائنس کی ضخیم کتابوں پر حاوی ہیں۔ کائنات کے جو راز انسان نے صدیوں کی دن رات محنت کے بعد اب دریافت کیے ہیں قرآنِ پاک میں ان کی طرف پہلے سے اشارے موجود ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن میں بیان کردہ حقائق اپنی صداقت کے لیے سائنس کے محتاج نہیں۔ یعنی قرآن سے رہنمائی سائنس نے حاصل کرنی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے سائنس نے چلنا ہے۔ جب سائنس کا کوئی نظریہ قرآن کے مطابق ہوتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سچ ہوگا مگر اس کا کوئی نظریہ قرآن میں بیان کردہ حقائق سے متصادم ہو تو یہی سمجھا جائے گا کہ ابھی سائنس کو مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے فکر کے حوالے سے مذہبی طرزِ فکر پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ اسی حوالے سے اب کچھ سائنس اور سائنسی رویے پر بھی بات ضروری ہے جس پر فی زمانہ بہت زیادہ بھروسہ کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

سائنسی طرزِ فکر: Science لاطینی زبان کے لفظ Scientia سے ماخذ ہے جس کے معنی علم کے ہوتے ہیں۔

تجسس اور تلاش کا جذبہ انسان کے ضمیر اور سرشت میں ودیعت کیا ہوا ہے۔ جو اسے اپنے ماضی حال مستقبل اور اسی حوالے سے اس کائنات کے ماضی حال اور مستقبل پر مسلسل فکر کرتے رہنے اور اس کے رازہائے سربستہ کو واشگاف کرتے رہنے پر ہمہ وقت کاربند رکھتا ہے۔

ہماری فطرت ہے کہ جو سوال بھی ذہن میں اُٹھے اسے توہمات غیر استدلالی جاہلانہ عقائد (جیسے بیماریوں کو بھوت پریت جادو ٹونے کا سبب یا سورج چاند گہن کو آفاتِ آسمانی کی نشانی سمجھا جاتا ہو) کے بجائے منطقی بنیاد پر تجربات پر مشاہدات کی روشنی میں حل کیا جائے۔ یہی رویہ اور یہی طرزِ عمل سائنس ہے۔

مشاہدوں اور تجربات کی ضمانت کے ساتھ طبعی حقائق اور مظاہر فطرت و کائنات کا علم سائنس اپنے مزاج میں فکر کا ایک خاص انداز اور رویہ رکھتا ہے۔

سائنسی طریقہ کار میں حواسِ خمسہ اور عقل سے حاصل شدہ معلومات اور اطلاعات کو تجربات کی کسوٹی پر مسلسل پرکھا اور جانچا جاتا ہے۔ تاوقتیکہ وہ کلی طور پر پایہ تصدیق کو نہ پہنچ جائیں۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد ہی کسی اطلاع کو اصول کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ خالق جب کسی مخلوق کو پیدا کرتا ہے تو پیدائش سے لے کر اس کے ارتقا کی آخری منزل تک پہنچنے کے لیے جو علم جو Knowledge بھی درکار ہوتا ہے وہ علم وہ Knowledge بھی خالق ہی اسے دیتا ہے۔ اس علم کے دینے کو ہدایت دینا کہتے ہیں۔ ہدایت خالق اپنی مخلوق کو چار ذریعوں سے دیتا ہے۔ پہلا ذریعہ وجدان، دوسرا حواس، تیسرا عقل اور چوتھا ذریعہ وحی ہے

Marfat.com

(ہدایت کے موضوع پر ہم میں تفصیلی طور پر ذکر کریں گے)۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حواس اور عقل کی رہنمائی کلی طور پر ریب یعنی شک سے پاک نہیں اکثر ہمیں کسی آواز کو سن کر جو گمان گزرتا ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اسی طرح اپنی سمجھ بوجھ اور عقل کی مدد سے کیے گئے فیصلے بھی کمزور یا غلط ثابت ہوتے رہتے ہیں۔ یوں حواس اور عقل کی رہنمائی کو شک وشبہ سے بالاتر نہیں مانا جاسکتا۔ نیز ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے حواس کی ایک حد ہے۔ ایک حد سے آگے کی آواز کو ہمارے کان نہیں سن سکتے نہ ہی ایک حد سے آگے ہماری نظر نہیں جاسکتی ہے۔ اسی طرح ہماری عقل کی دسترس کی بھی ایک حد ہے۔ مشاہدے اور تجربے کی بنا پر جہاں تک ہماری رسائی ہے وہی ہماری عقل کی بھی حد ہے۔ یوں یہ بات طے شدہ ہے کہ حواس اور عقل کی رہنمائی کسی حد تک محدود ہے۔

سائنس چونکہ انہیں دونوں ذریعوں پر کلی طور پر انحصار کرتی ہے۔ اس کے دائرہ کار کو بھی محدود کہا جاسکتا ہے۔ اسی بنیادی وجہ سے سائنس کے فیصلوں میں اصلاح کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ اسی لیے سائنسی نظریات وحقائق وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اسی لیے سائنس اگر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے انسان کے سارے مسائل حل کردیے ہیں اور عالمِ تخلیق کے تمام سربستہ راز افشا کردیے ہیں تو اس کے اس دعوے کو کبھی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

سائنس بذاتِ خود کبھی Absolute Truth تک رسائی کا دعویٰ نہیں کرتی ہے۔ دائم حقیقت سے فاصلہ رکھنا اس کی طینت ہے۔ سائنس میں مطلق صداقت کا کوئی وجود نہیں اسی وجہ سے سائنس میں خود تصحیحی کا ایک نظام ہمیشہ چلتا رہتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔

Marfat.com

یوں عملی طور پر سائنس تغیر پذیر اور اس کا ہر عمل ہمیشہ ارتقائی مرحلوں میں ہوتا ہے۔ تجربات و مشاہدات کتنے ہی کیوں نہ کیے جائیں کسی قطعی حل تک رسائی سائنس کے مزاج اور دسترس میں نہیں۔

سائنس اپنے زاویۂ نگاہ میں کلی طور پر مادیت پرست ہے۔ جبکہ مذہب روح کی گہرائیوں اور پنہائیوں کی خبر دیتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ سائنس اپنی مادی کائنات کی محدودیت کے باوجود رہنمائی کرتے ہوئے خالقِ کائنات پر ایمان کو تقویت دیتی ہے۔

سائنس کے ضمن میں یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اپنی طرزِ فکر میں سائنس کسی شے یا عمل کے مقصد کی جانب نہیں لے جاتی۔ جبکہ فلسفہ اور مذہب دونوں مقصد کی تلاش اور اہمیت کے متقاضی ہیں۔ یوں اگر ہم اپنے اور اس کائنات کے مقصد کی تلاش میں نکلیں اور ہمارا سوال ہو کہ آخر ہمارا اپنا یہ وجود اس مادی کائنات میں ہے کس لیے اور اتنی وسیع و عریض کائنات آخر کس مقصد کے لیے تخلیق کی گئی۔ تو سائنس ہماری رہنمائی کرنے کے بجائے اپنی معذوری کا اظہار کرتے ہوئے ملے گی۔ بقول شخصے سائنس یہ تو بتا سکتی ہے کہ نہیں معلوم مرنے کے بعد کیا ہوگا لیکن وہ یہ کہ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوگا دعوے نہیں کر سکتی۔

فکر کے حوالے سے مختلف طبقات:

ہمارے اس عہد میں انسان نہ جانے سوچ اور فکر کے کتنے سیلابوں کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ تجزیہ کیا جائے تو اس حوالے سے لوگ بہت سے گروہوں اور طبقوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے چار اہم طبقوں کو میں قابل ذکر سمجھتا ہوں۔

پہلا طبقہ تو وہ ہے جو آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی جاہلانہ اور توہم پرستانہ عقائد کے سحر سے آزاد نہیں ہو سکا۔ اس طبقے کے لوگ ابھی تک اس دور سے گزر رہے

ہیں جس دور سے کبھی یورپ گزر رہا تھا۔قوی امکان یہ ہے کہ آگے چل کر یہ طبقہ کچھ اپنی اصلاح اور ذہنی ترقی کر کے توہم پرستی سے رفتہ رفتہ تائب ہو کر عقلی اور منطقی سوچ پر گامزن ہو جائے۔

دوسرا طبقہ واضح طور پر وہ نظر آتا ہے جو کلیتاً مغربی سوچ کا حامل ہے جو اپنے مذہب سے بیزار اور دلبرداشتہ ہو کر عقلی اور سائنسی علوم پر ایمان لے آیا ہے اور ان علوم کا اس قدر دلدادہ اور طرفدار ہو چکا ہے کہ کائنات اور اس میں موجود ہر عمل حتیٰ کہ خود اپنے آپ کو بھی صرف مادی نظر سے دیکھتا ہے اور ہر شے کو مادے کے کسی ارتقائی عمل کی پیداوار گردانتا ہے۔ مادی ترقی اور مادی حاصلات ہی اس کے لیے بڑی جزا ہوتے ہیں۔ کسی بھی قسم کی روحانی اور مذہبی پابندیوں سے چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو قطعی آزاد سمجھتے ہیں سو ان کی اس آزادیِ فکر کے راستے سے اخلاقی برائیوں کو ان کے اندر در آنے کے لیے راستہ کھلا ہوتا ہے۔ مفاد پرستی اور خود پرستی ان کے مزاج کا حصہ ہوتی ہے۔ اپنے اور کائنات کے حقیقی مقصد کے علم کی جستجو ان کے دائرہ کار میں نہیں ہوتی۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۝
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ط

''جو شخص محض حیاتِ دنیوی کی منفعت اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی میں پورے طور پر بھگتا دیتے ہیں۔
ان کے لیے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں۔'' (ہود، آیات ۱۵-۱۶)

Marfat.com

اِنَّ الَّذِيْنَ لاَ يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ٥

''جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔''

تیسرا طبقہ وہ ہے جو مذہب و دین پر ایمان رکھتا ہے۔ منطقی اور سائنسی حقائق کو اپنے دین کے تابع رکھتا ہے تو ہم پرستانہ عقائد کے بجائے صرف اور صرف، حقیقی خالق کائنات کے دیے ہوئے دستور اور دین پر ایمان رکھتا ہے جس کی کسی زمانے میں بھی عقل اور سائنس تردید نہیں کر سکی۔ بلکہ ہر دور میں اس کی تائید کرتی ہوئی ہی نظر آئی۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت حقانیت اور یومِ آخرت پر کامل ایمان کو اپنی زندگی کا مقصد و حاصل سمجھتے ہیں۔ زندگی اور موت کا مالک و مختار بھی اللہ تعالیٰ کو ہی مانتے ہیں۔ جان، مال و متاع اور اولاد ان کی نظر میں اللہ کی عطا ہوتے ہیں۔ یہ ایقان ان کی زندگیوں میں نظم و ضبط اور کردار کو استحکام بخش دیتا ہے۔ خالق کائنات پر ایمان ان کے دلوں کو ہر قسم کے خوف، لالچ اور حسد سے پاک کر دیتا ہے۔ اللہ کی رضا کو اپنے ہر معاملے پر مقدم سمجھتے ہیں۔ سو بےخوف و خطر زندگی ان کا مقدر ہوتی ہے۔ آخرت پر یقین انہیں قابل اعتبار و اعتماد بنا دیتا ہے۔ مال و رزق کی فراوانی ان کے اندر تکبر و غرور نہیں پیدا کرتی اپنے ہر معاملے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہیں۔ یوں یہ سب صفات ان کے اندر یکجا ہو کر انہیں راست بازی اور انسانی اقدار کا اعلیٰ نمونہ بنا دیتی ہیں۔ آج تک دنیا کا کوئی دستور، کوئی دوسرا لائحہ عمل انسانی تاریخ سامنے نہ لا سکی جو ان خدا پرستوں سے بہتر انسان پیدا کر سکتا ہے۔

Marfat.com

رہ گئے چوتھے طبقہ کے افراد تو میری دانست میں یہ لوگ معاشرے میں قابل رحم ہوتے ہیں اور باقی تینوں طبقوں سے زیادہ گئے گزرے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی عقلی اور مذہبی سوچ کے درمیان ایک گومگو کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے روزمرہ زندگی کے سیاسی، معاشرتی اور تمدنی مسائل کے حل کے لیے منطقی، عقلی اور سائنسی فیصلوں پر انحصار کرتے ہیں اور روحانی اور اخلاقی تقاضوں کے لیے وقتی طور پر مذہبی افکار کا سہارا ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔ ان دو مختلف افکار میں ایک تصادم کی کیفیت کا انہیں آئے دن سامنا کرنا ہوتا ہے۔ نتیجتاً ہیجان اور بے سکونی کے عالم میں ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اپنے روزمرہ مسائل کا حل وہ جن عقلی اور سائنسی تصورات میں ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔ ان میں اخلاق، خدا اور عاقبت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مذہبی پابندیاں انہیں غیر ضروری محسوس ہوتی ہیں۔ انہیں نہ تو سائنسی اور عقلی نظریات پر قطعی بھروسہ ہوتا ہے اور نہ ہی مذہب پر کامل ایمان ہوتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ط (یونس ۱۲)

”اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے۔ لیٹے بھی بیٹھے بھی، کھڑے بھی اور پھر جب اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی حالت پر آ جاتا ہے۔ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی (اسے ہٹانے کے لیے) کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔“

گزشتہ بنیادی تمہیدی گفتگو جو کہ ضروری تھی جس میں اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ انسان کی فکر مختلف زمانوں میں کن کن اہم مرحلوں سے گزری۔ نیز فی زمانہ انسان کے

Marfat.com

سوچنے اور سمجھنے کے اہم اور مستند زاویے کن کو مانا جائے۔ اب ہم اپنے اسی بنیادی سوال کی طرف آتے ہیں کہ آخر ہم ہیں کیا۔ کیوں ہیں اور ہمارا مستقبل کیا ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ مادی کائنات جس میں ہم ایک مخلوق کی حیثیت سے موجود ہیں۔ کب پیدا ہوئی آج کیا کچھ ہے اور اس کا مستقبل کیا ہوگا۔

ہم اور ہماری کائنات:

مادی وجود میں رہتے ہوئے اس مادی کائنات کا پہلا تعارف تو ہمیں حواسِ خمسہ اور عقل کی وساطت سے ہوتا ہے۔ عقل حواسِ خمسہ کی دست نگر ہے۔ اگر حواسِ خمسہ خاموش ہو جائیں تو اس کائنات کی موجودگی کا احساس بھی محال ہو جائے گا۔

اس لحاظ سے بھی اگر مطالعہ اس مادی کائنات کے حوالے سے ہی شروع کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

سردست چونکہ ہم اس (سہ بعدی)Three Dimentional کائنات میں موجود ایک فرد ہیں۔ اس میں ہمیں تصرف بھی حاصل ہے۔ عمل کی آزادی بھی میسر ہے۔ اعمال درجات کی بلندی کی ضمانت ہوتے ہیں اور مادی کائنات ہی میں اعمال وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی یہ مادی کائنات اپنی ایک اہمیت کی حامل ہے۔

اگر ہم کسی مقام سے کسی دوسرے مقام تک جانا چاہتے ہیں تو سفر کا آغاز وہیں سے ہوگا جہاں ہم موجود ہیں۔ یوں اگر ہم اپنے خالق کی جانب رجوع کے سفر کی ابتدا کرنا چاہیں تو یہاں بھی سفر کا آغاز اپنے آپ سے اور اس کائنات سے کرنا بہتر ہوگا جس میں ہم موجود ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے موجودات اور مظاہرِ فطرت کو بھی اپنی کھلی ہوئی نشانیاں (اوالی الالباب) بتایا ہے۔ سو ان کھلی ہوئی نشانیوں کا فہم وادراک معرفتِ الٰہی کا پہلا

Marfat.com

زینہ ہوسکتا ہے۔ جزیات کا ادراک کرتے کرتے کلیات تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔

خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰالِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (العنکبوت ۴۴)

''خدا نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لیے اس میں نشانی ہے۔''

اللہ رب العزت جو تمام جہانوں کا خالق اور رب ہے زندگی دینے والا اور اسے قائم رکھنے والا ہے۔ اس نے زندگی دینے اور اسے قائم رکھنے کے لیے جو لوازمات اور انتظامات رکھے ہیں ہم اپنے محدود فہم سے اس تمام کا ادراک تو کیا گمان بھی نہیں کر سکتے۔ عالم ارواح سے اس مادی کائنات میں حیات اور اس کے بعد ہماری اُخروی حیات کا گوشہ گوشہ اس کی قدرتِ کاملہ کے احاطے میں ہے۔ ہمارے جسم کا رواں رواں اور زندگی کا لمحہ لمحہ خواہ وہ کسی جہان میں کیوں نہ ہو سرتاپا اس کے حکم کے تابع ہے۔ اپنی اس دنیاوی زندگی ہی کو لے لیں۔ اس کی ابتداوہ جس رحمِ مادر سے چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ کسی کو اس نے کسی شاہی گھرانے میں پیدا کر دیا۔ جہاں اسے پیدا ہوتے ہی زندگی کی تمام آسائشیں اور نعمتیں پہلے دن سے ہی میسر ہوتی ہیں تو کسی کو اس نے کسی فقیر، کسی مفلس کے گھر پیدا کر دیا جہاں روزِ اوّل سے ہی زندگی ایک مسئلہ ہوتی ہے اور حالات کے بہاؤ میں چارو ناچار بہتا رہتا ہے۔ تو کسی کو سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں موجود کسی جاندار کی کوکھ سے پیدا کر کے آبی حیات کا ایک جز بنا دیا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ٥ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ط (انفطار ۸۲، آیات ۷-۸)

''وہی تو ہے جس نے تجھے بنایا اور (تیرے اعضاء کو ٹھیک کیا اور

Marfat.com

تیری قامت کو) معتدل رکھا اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔"

ہم اس کا جتنا شکر ادا کریں کم ہوگا کہ اس نے ہمیں انسان کی صورت میں اس زمین پر زندگی دے کر طرح طرح کی نعمتیں ہمارے اطراف بکھیر دیں۔ ہماری زندگی کو اس زمین پر حفاظت کے لامحدود انتظامات کر کے محفوظ بنا دیا۔ ورنہ تو ہمارا اس زمین پر چند لمحوں زندہ رہنا بھی ممکن نہ ہوتا۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

"اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔" (نحل ۱۶، آیت ۱۸)

اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی، حکمت کارخانۂ قدرت اور مظاہرِ فطرت کا مطالعہ ہمیں اس کی شانِ کبریائی حکمت اور حشمت کا قرب عطا کرتا ہے۔ اس کی ظاہری عظمتوں کا علم ہمارے ایمان وایقان کے نفوذ کا بہترین ذریعہ ہے۔ بقولِ قرآن کریم:

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلموا

مادی کائنات کی تخلیق ہی میں اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ اس کی ان ظاہری نشانیوں کا منظر کھلی کتاب کی طرح ہمارے اطراف ہے۔ ہمارا جسمانی وجود، یہ زمین اور اس میں پوشیدہ زندگی کی پیدائش اس کی نشوونما کے انتظامات کے لامتناہی سلسلے، سورج، چاند، آسمان، ستارے، کہکشاؤں کے سمندر۔ کیا ہمیں دعوتِ فکر و تدبر نہیں دے رہے۔ اس کی عظمتیں لامحدود وعظیم الشان ہیں۔ وہ مالکِ کل اور قادرِ مطلق ہے۔ زمین چونکہ ہماری عارضی دنیاوی زندگی کے لیے مستقر ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط وَالنُّجُوْمُ

Marfat.com

مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۙ

(نحل ۱۶، آیت ۱۲)

اور اسی نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور اُسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سمجھنے والوں کے لیے اس میں قدرتِ خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں۔''

سو آیئے سرسری طرح پر ہی سہی اس کا ایک جائزہ لیا جائے اور اس کے حوالے سے اس نظامِ شمسی اور اس کی نسبت سے اس کہکشاں کا جس میں ہمارا نظامِ شمسی آباد ہے اور اپنی کہکشاں کے توسط سے اس مادی کائنات پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ حقائق کو جغرافیائی اعتبار سے بھی نظر میں رکھنا اس کتاب کے موضوع کو سمجھنے کے لیے ضروری ہوگا۔

مادی کائنات کی ابتدا:

ہماری یہ مادی کائنات جو کائنات کل کا ایک Three dimentional cross section ہے۔ سائنس دانوں کے اپنے حساب سے آج سے تقریباً 15 بلین سال قبل ایک انتہائی بڑے دھماکے Big ban کے بعد وقوع پذیر ہوئی۔ Big ben سے قبل تمام مادہ انتہائی گرم گیس کی حالت میں 1000 ملین C گریڈ درجہ حرارت سے کئی سو گنا درجہ حرارت میں موجود تھا۔ Big ban کے شدید دھماکے سے یہ مادہ خلائے بسیط میں کچھ ایسے نپے تلے انداز میں بکھرا کہ لامحدود وسعتوں میں مادے کے جھرمٹوں میں شکل پذیر ہوا اور لامحدود وسعتوں میں کروڑوں اربوں ستاروں نظامِ شمسی پر مشتمل کہکشائیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔ درجہ حرارت صرف تقریباً تین منٹ کے قلیل عرصہ 1000 ملین سنٹی

Marfat.com

گریڈ سے گر کر 1000 سنٹی گریڈ پر آ گیا۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ (۴۱-۱۱)

''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو کہ دھواں ہی دھواں تھا۔''

مادے کا Big Ban دھماکے سے کچھ ایسی نپی تلی شدت سے بکھرنا کہ لامحدود خلا میں کروڑوں کہکشانی صورتوں میں وقوع پذیر ہونا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قدرتِ کاملہ سے ہی ممکن تھا۔ بقول سائنس دانوں کے اس عمل میں 1/1000000000000000 کے برابر بھی کمی بیشی ہوتی تو یہ مادی کائنات معرضِ وجود ہی میں نہیں آ سکتی تھی۔ اتنی ذرا سی بھی دھماکا کی شدت میں اگر کمی لاحق ہوتی تو پھر آئن سٹائن کے نظریۂ اضافت کی رو سے یہ کائنات وجود میں آنا تو درکنار اپنے اندر ہی ڈھیر ہو جاتی۔ بصورتِ دیگر اگر ذرہ برابر بھی اس دھماکا کی شدت میں زیادتی ہوتی تو کائنات خلق ہونے کے بجائے تمام مادہ خلا کی وسعتوں میں بکھر کر گم ہو جاتا۔

اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَاۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَکَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ○

(فاطر ۳۵، آیت ۴۱)

''خدا ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ ٹل نہ جائیں۔ اگر وہ ٹل جائیں تو خدا کے سوا کوئی ایسا نہیں جو اُن کو تھام سکے۔ بے شک وہ بردبار (اور) بخشنے والا ہے۔''

علاوہ ازیں مادے کا اس طرح دھماکا کے بعد کہکشانی جھرمٹوں میں ترتیب پا جانا بھی ایک معجزۂ خداوندی ہی ہے۔

یہ سب کچھ اتنا نپے تلے انداز، عظیم منصوبہ بندی، طبیعاتی اور کیمیائی اصولوں کے

Marfat.com

حساب و کتاب کے ایسے حیران کن توازن سے وقوع پذیر ہوا کہ اسے سمجھ پانا عقلِ انسانی کی پہنچ سے بالاتر ہے۔ میں پھر کہوں گا کہ اس عمل میں کہیں بھی اگر ذرا سی بھی کہیں کوئی غلطی ہوتی تو بقول ایلن گیتھ اس کائنات کے وجود کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نہ یہ کائنات وجود میں آتی نہ اس میں زندگی کا کوئی وجود ہوتا۔

یہ تصور کہ یہ سب کچھ اتفاقی طور پر ہو گیا۔ سائنسی اعتبار سے بھی قطعی اور کسی طور ممکن نہیں۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ (زمر ۶۲)

''خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگراں ہے۔''

نیز ہماری یہ مادی کائنات جب سے وجود میں آئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک مسلسل انتہائی نپی تلی اور درست رفتار سے پھیلنے کے عمل میں ہے۔ کائنات کے اس مسلسل پھیلاؤ کی رفتار میں بھی مشیتِ ایزدی معجزانہ طور پر کارفرما ہے۔ ایک نازک سے توازن نے اسے برقرار رکھا ہوا ہے۔ کائنات کے پھیلنے کی اس متوازن رفتار میں بھی ایک سیکنڈ کے لاکھویں حصہ کی بھی کمی و بیشی اس کی تباہی کا موجب ہوگی۔ اس رفتار کی شرح میں ذرا سی کمی کائنات کو سمیٹ کر ڈھیر ہونے سے نہیں روک سکتی اور پھیلنے کی رفتار میں ذرا سی زیادتی اس کائنات کے وجود کو معدوم کر دے گی۔ کائنات کے پھیلاؤ کی رفتار میں کہیں کوئی جھول نہیں۔

قرآنِ مجید نے آج سے چودہ سو سال پہلے پھیلتی ہوئی کائنات کی طرف اشارہ کیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○ (ذاریات: ۴۷)

Marfat.com

''ہم نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا اور ہم ہی اسے وسعت دے رہے ہیں۔''

کہکشائیں:

ہم سب جانتے ہیں کہ ہماری زمین نظامِ شمسی کا ایک رکن ہے اور ہمارا نظامِ شمسی جس کہکشاں میں موجود ہے اسے مِلکی وے کا نام دیا گیا ہے۔ یہ کہکشاں ستاروں اور سیاروں کا ایک بہت وسیع مجموعہ ہے۔ اس میں ستاروں، سیاروں کے علاوہ دھوئیں کے بادلوں کی صورت میں بھی مادہ پھیلا ہوا ہے۔ ہماری کہکشاں میں جیسا کہ اندازہ لگایا گیا ہے۔ ایک کھرب سے بھی زیادہ ستارے موجود ہیں۔ ہمارا سورج ان ستاروں میں درمیانی درجہ پر شمار ہوتا ہے۔ جبکہ کہکشاں میں بڑے اور انتہائی بڑے ستارے موجود ہیں۔ ہر ستارے کے درمیان کھربوں میل کا فاصلہ ہے۔ ان ستاروں میں تنہا ستارے بھی ہیں اور سیاروں پر مشتمل تارے بھی۔ روشنی ایک سال میں تقریباً ۵۸ کھرب میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ اس فاصلے کو نوری سال کا فاصلہ مانا جاتا ہے اور کائنات میں فاصلوں کو عام طور پر نوری سال کے فاصلوں سے ناپا جاتا ہے۔

ہماری کہکشاں کا قطر 80 سے 85 ہزار نوری سال کے قریب ہے۔ یعنی ہماری کہکشاں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک روشنی کو پہنچنے میں 80 ہزار سال لگتے ہیں۔ جبکہ سورج سے زمین تک روشنی کو پہنچنے میں صرف آٹھ منٹ درکار ہوتے ہیں۔ اس حساب سے اپنی کہکشاں کی وسعت کا اندازہ کیجیے۔ ہماری کہکشاں ساکن نہیں بلکہ یہ بھی اپنے تمام ستاروں، سیاروں کے ساتھ ہمارے سورج کو لیے ہوئے اپنے مرکز کے گرد گھوم رہی ہے۔ ہمارا سورج اپنی کہکشاں کے سمندر میں ایک قطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہم اپنی آنکھ سے اپنی کہکشاں کے علاوہ زیادہ سے زیادہ تین اور کہکشاؤں کو دیکھ سکتے ہیں۔ نظر آنے والی کہکشاؤں میں ایک ہم سے ایک لاکھ ستر ہزار نوری سال اور دوسری دو لاکھ نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ ان دونوں کہکشاؤں میں ایک کھرب سے بھی زیادہ ستارے موجود ہیں۔ جدید دوربینوں سے دیکھا جائے تو چاروں طرف جدھر بھی نظر جاتی ہے کہکشائیں ہی کہکشائیں بکھری نظر آتی ہیں جن کی تعداد کروڑوں میں بتائی جاتی ہے۔ صحیح تعداد کا علم تو اللہ رب العزت ہی کو ہے۔ ان کہکشاؤں کے محیط از حد وسیع ہیں۔ ان کا قطر 10,000 نوری سال سے لے کر 1 لاکھ نوری سال تک ہے اور ایک کہکشاں سے دوسری کہکشاں بھی ہزاروں اور لاکھوں نوری سال کے فاصلے رکھتی ہے۔ ان کہکشاؤں میں کہیں سکون نہیں مثلاً ہماری زمین اپنے اطراف ایک ہزار میل فی گھنٹہ سے گھوم رہی ہے ساتھ ہی ساتھ یہ سورج کے گرد 70 ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے اور کہکشاں میں سورج کے خاندان کے ساتھ زمین تقریباً 5 لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے رواں دواں ہے۔

ہمارا ذہن کام نہیں کرتا جب ان کروڑوں کہکشاؤں میں مادہ کی مقدار کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں۔ چھوٹی کہکشاؤں میں تقریباً 2 ارب سورجوں کے برابر مادہ پایا جاتا ہے اور درمیانی کہکشاؤں میں 10 ارب اور بڑی کہکشاؤں میں تقریباً 1 کھرب سورجوں کے برابر مادہ موجود ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

(نحل ۱۲)

Marfat.com

''اور اسی نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور اُسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سمجھنے والوں کے لیے اس میں (قدرتِ خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔''

ذرا غور تو کیجیے کہ اس مادی کائنات کی وسعت کتنی ہے۔ کروڑوں کہکشاؤں میں کتنا مادہ موجود ہے اور ان کے درمیان کتنے فاصلے ہیں۔ یقیناً آپ کا ذہن جواب دینے سے قاصر ہوگا۔ ہم یہ سب کچھ اپنے حسابی اعداد کی مدد سے ناپ ہی نہیں سکتے۔ کائنات کی لامحدود وسعتیں، لامتناہی فاصلے، بے حساب مادہ کا وجود اور اس عجائبات کے خزانے کیا ہمیں اللہ رب العزت کی عظمت کا قائل کرنے کے لیے کافی نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ عظمتوں کی کھلی ہوئی نشانیاں ہی تو ہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ○

(۶۷:۳-۴)

''وہ کون ہے جس نے فضا کی وسعتوں میں متعدد کرّوں کو اس طرح تخلیق کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں۔ تم ہر طرف دیکھ لو خدا تعالیٰ کی رحمانیت کا یہ عالم ہے کہ تمہیں اس کی تخلیق میں کہیں بے ربطی نہیں ملے گی اور ہر جگہ تناسب نظر آئے گا۔ اس کائنات کو بار بار دیکھو اور غور سے دیکھو تمہیں اس نظام میں بے ترتیبی نظر نہ آئے گی اور بار بار دیکھنے کے بعد بھی تمہاری نگاہ تھک کر ناکام واپس آجائے گی اور تمہیں کائنات میں کہیں کوئی

Marfat.com

فطور نظر نہیں آئے گا۔"

اس مادی کائنات کا انجام

اس کائنات کے انجام کے متعلق سائنس دانوں میں دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ پہلے نظریہ کے ماہرین اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اس وقت تمام اجرامِ فلکی ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ یوں یہ کائنات پھیلنے کے عمل میں ہے مگر ایک دن یہ پھیلنے کا عمل رُک جائے گا اور تمام کہکشائیں اور ستارے ایک دوسرے کی جانب کھنچنے لگیں گے اور بالآخر ٹکرا کر تباہ ہو جائیں گے اور کائنات پھر ایک بڑے آگ کے گولے میں بدل کر رہ جائے گی۔

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّہِمْ لَکٰفِرُوْنَo (روم ۸)

"کیا انہوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کو حکمت سے اور ایک وقت مقرر تک کے لیے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کے قائل ہی نہیں۔"

دوسرے نظریہ کے مطابق پھیلنے کا یہ عمل جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ تمام ستارے اور کہکشائیں جل بجھیں گی اور کائنات راکھ کا ایک ڈھیر بن جائے گی۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّہَارِ وَیُکَوِّرُ النَّہَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ

Marfat.com

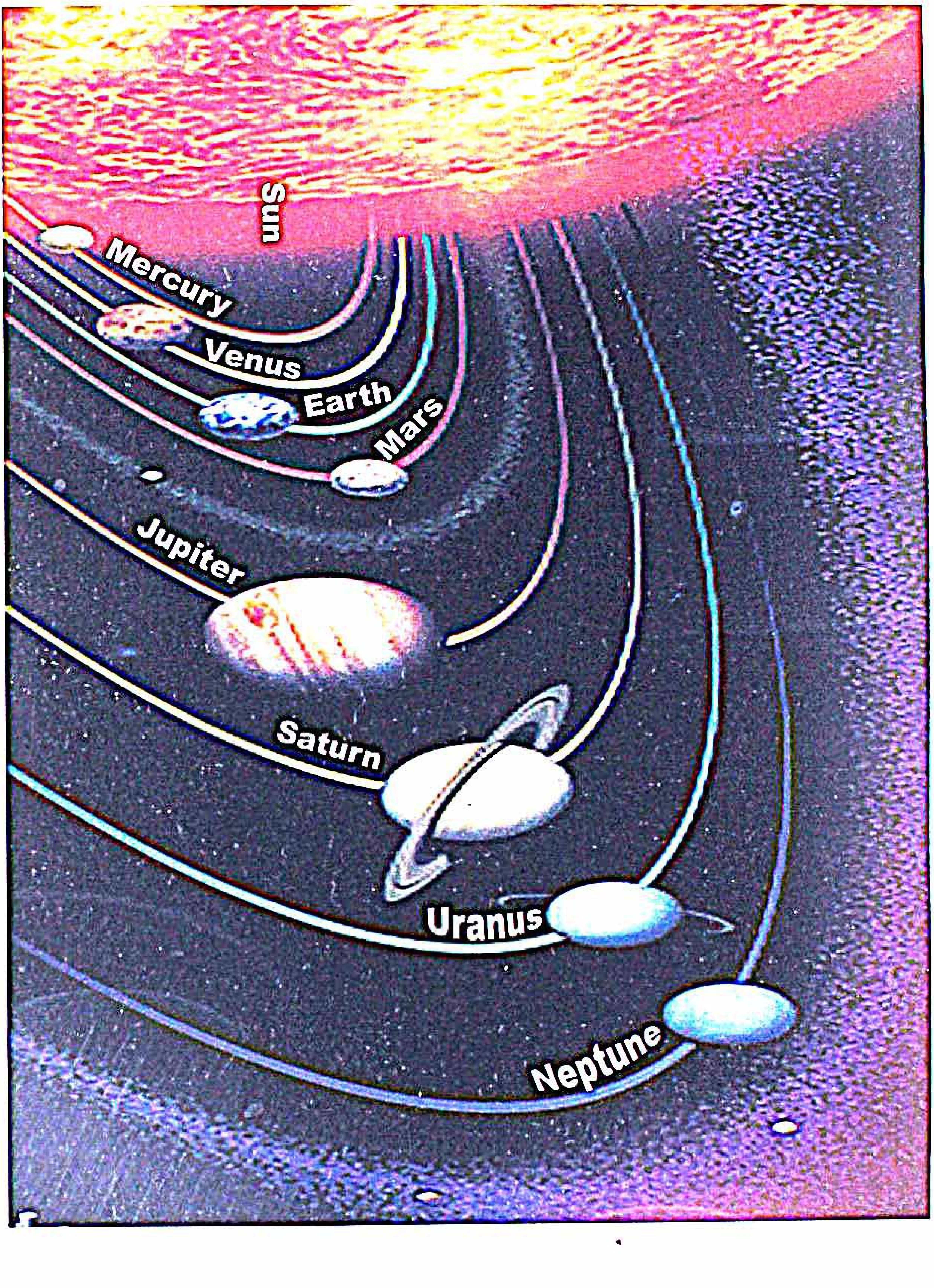
Sun
Mercury
Venus
Earth
Mars
Jupiter
Saturn
Uranus
Neptune

Marfat.com

Marfat.com

يَجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلاَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُo (زمر۵)

''اُسی نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے (اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے۔ سب ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے۔ دیکھو وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔''

نظامِ شمسی

ہمارے نظامِ شمسی کا مرکزی ستارہ سورج ہے۔ سورج اپنی کہکشاں میں کروڑوں موجود ستاروں میں درمیانے درجے کے ستاروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے گرد اس کے گیارہ سیارے اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔ ان تمام سیاروں کے لیے توانائی کا واحد ذریعہ سورج ہی ہے۔ سورج کے ہوتے یہ سارا نظام قائم و دائم ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (رحمٰن۵)

''سورج اور چاند ایک حساب مقرر سے چل رہے ہیں۔''

Marfat.com

نظام شمسی کے دیگر سیارے

	عطارد	زہرہ
سورج سے فاصلہ	57600000 کلومیٹر	107520000 کلومیٹر
وزن	3×10^{20} ٹن	5×10^{21} ٹن
قطر	4880 کلومیٹر	12112 کلومیٹر
کثافت	5.5	5.6
حجم	5.8×10^{10} ٹن (کلومیٹر)	9.8×10^{12} ٹن (کلومیٹر)
محوری گردش	58.7 دن	243 دن
دن کے وقت درجہ حرارت	7000-400 کلیون	743 کیلون
رفتار	4.3 کلومیٹر فی سیکنڈ	10.36 کلومیٹر فی سیکنڈ
مدار کی طرف استوائی جھکاؤ		70^0

	مریخ	مشتری
سورج سے فاصلہ	226464000 کلومیٹر	773280000 کلومیٹر
وزن	7×10^{20} ٹن	2×10^{20} ٹن
قطر	6790 کلومیٹر	142800 کلومیٹر
کثافت	3.94	1.33
حجم	1.637×10^{11} (کلومیٹر)^3	1.43×10^{11} (کلومیٹر)^3
محوری گردش	24 گھنٹے 37 منٹ 23 سیکنڈ	9 گھنٹے 50 منٹ 30 سیکنڈ
مداری گردش	686.98 دن	4332.59 دن
سطح کا درجہ حرارت	320-250 کیلون	173 کیلون
چاند	2	16

Marfat.com

نظامِ شمسی کے دیگر سیّارے

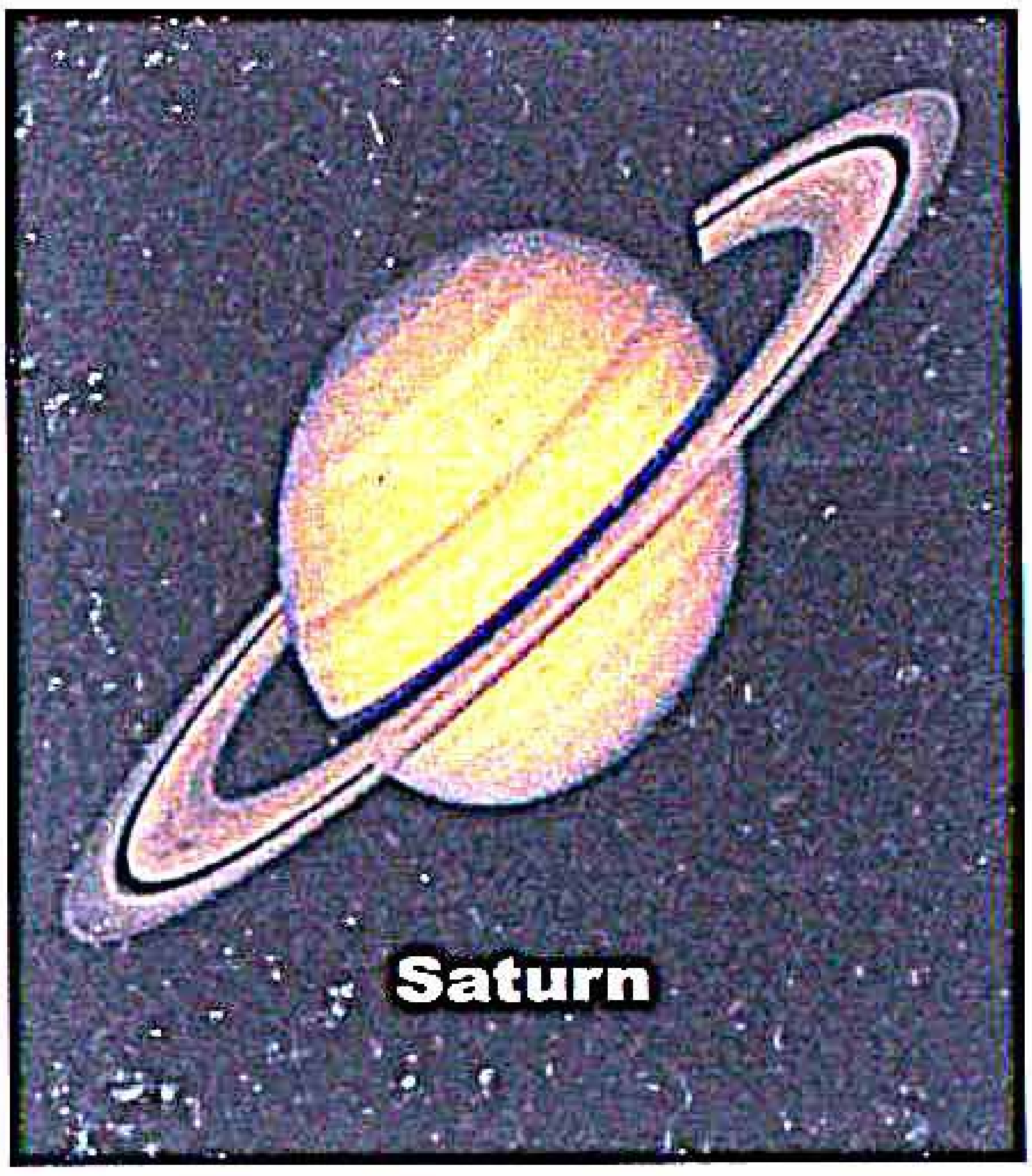

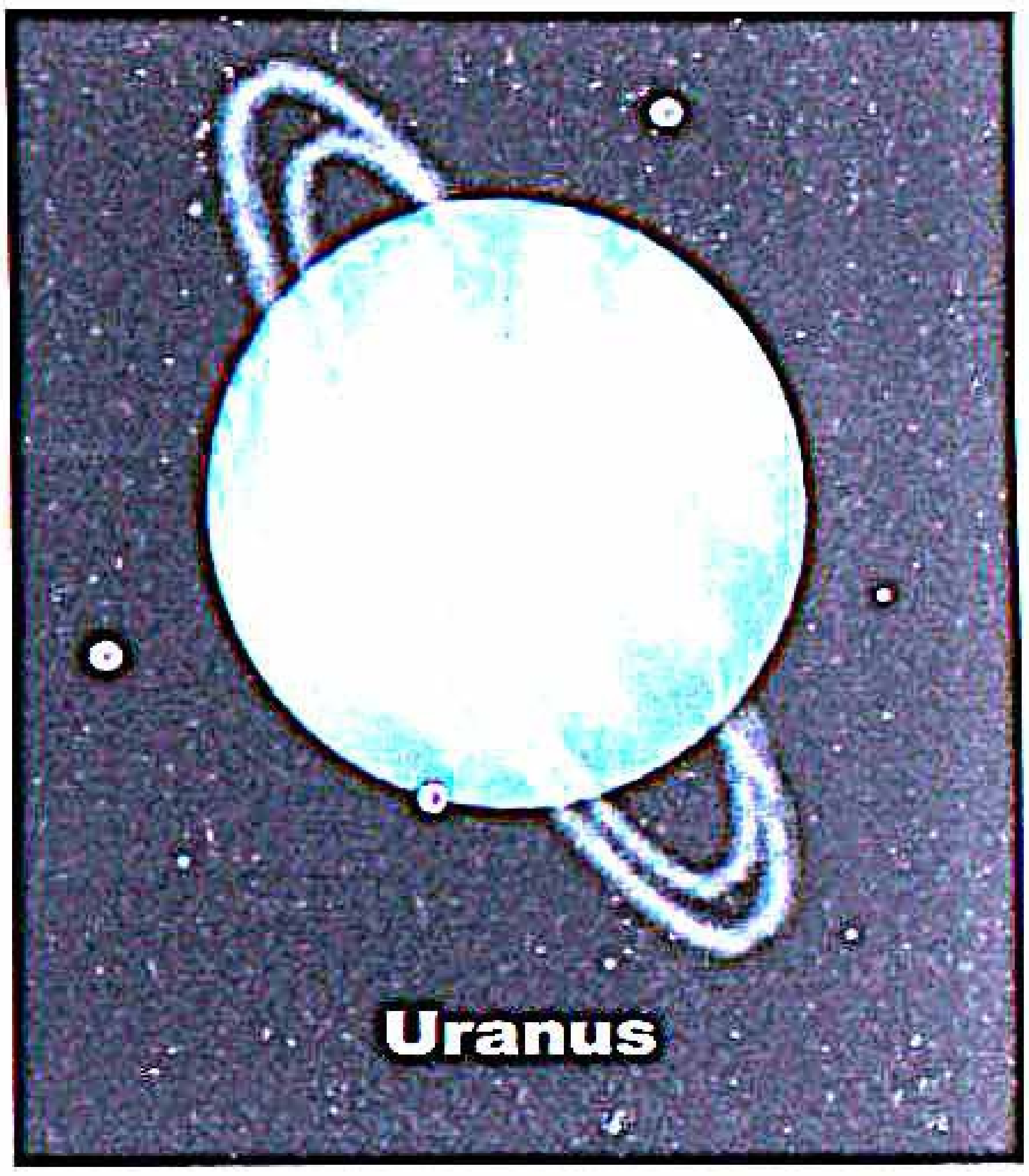

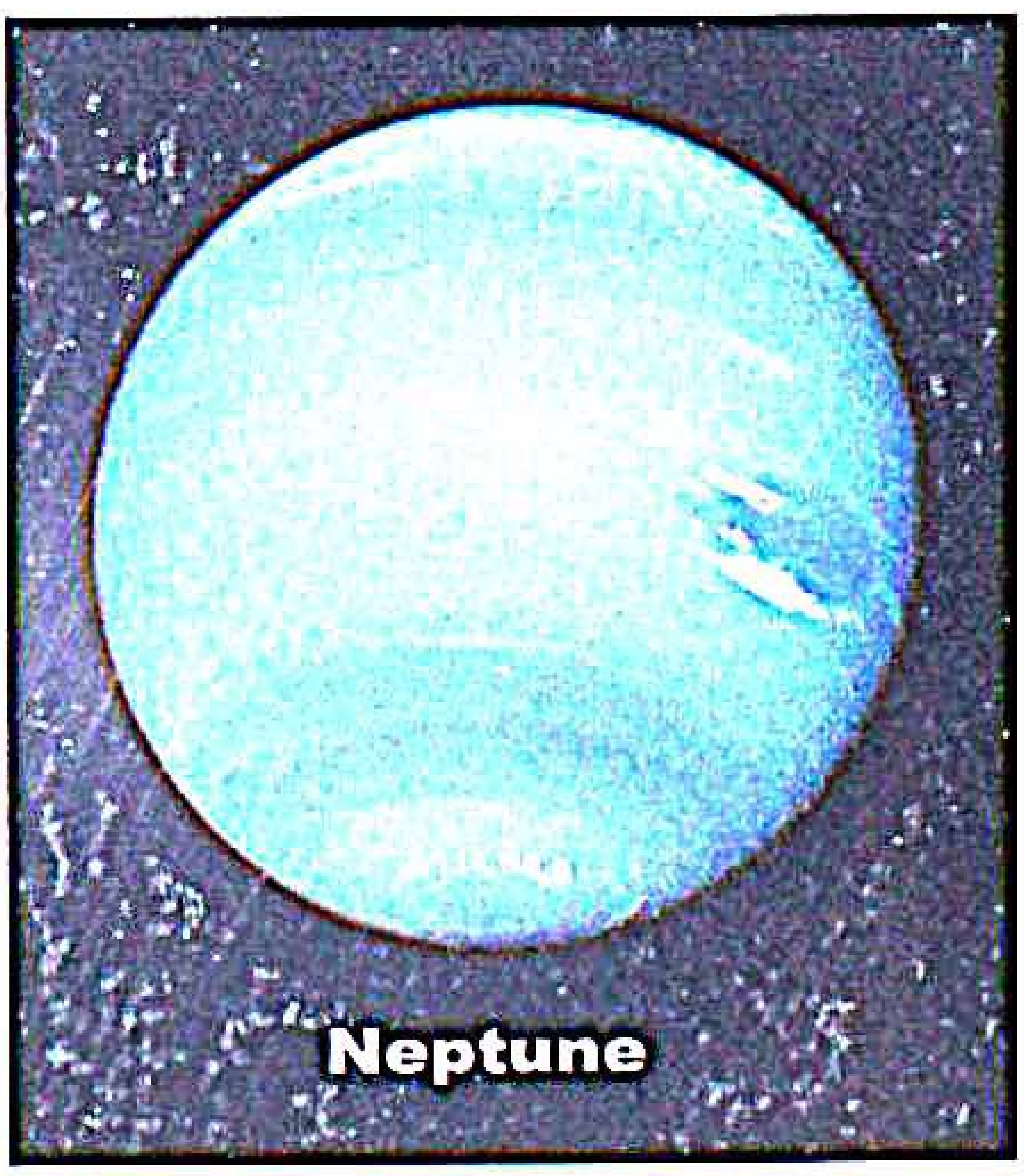

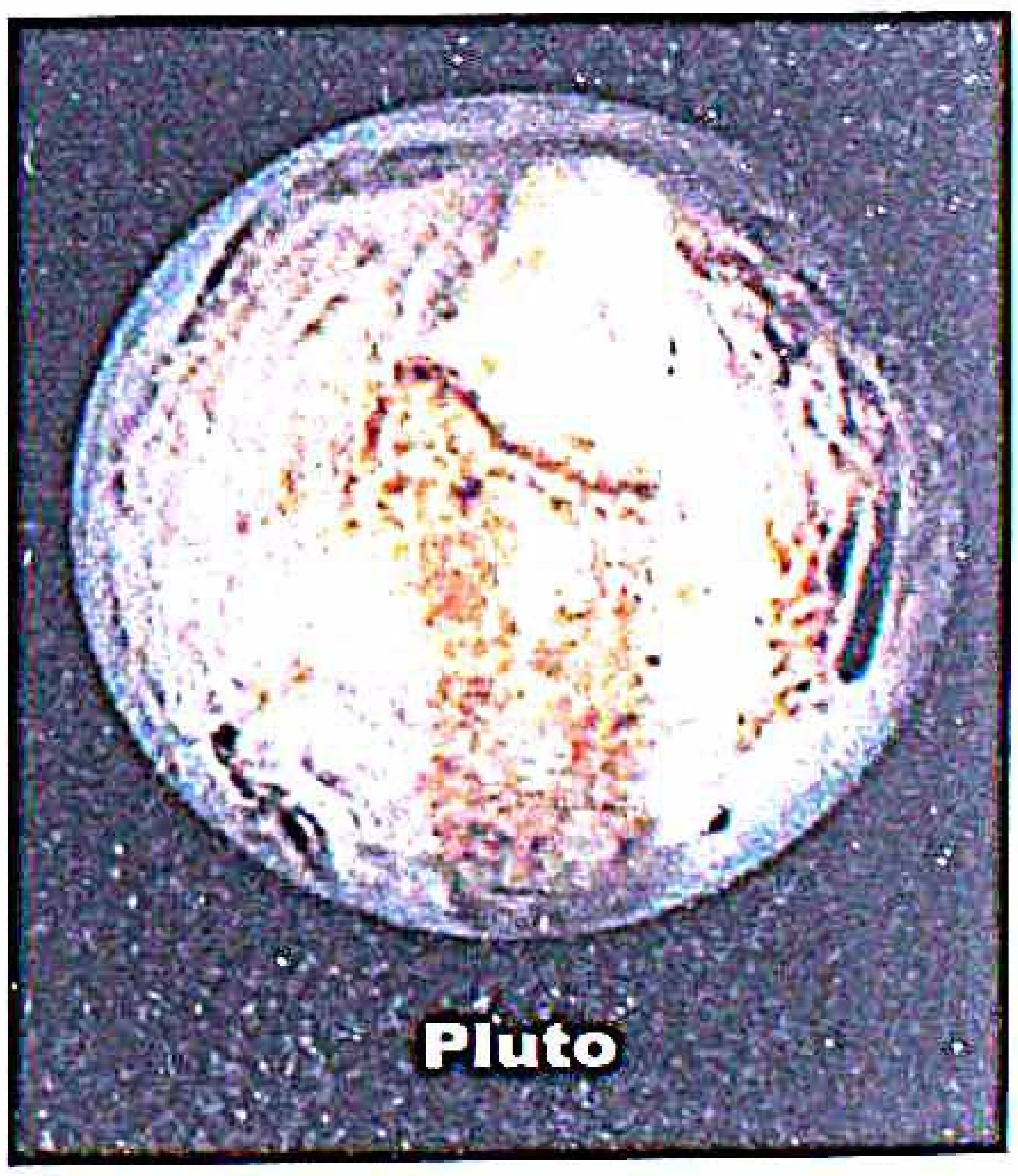

Marfat.com

نظامِ شمسی کے دیگر سیّارے

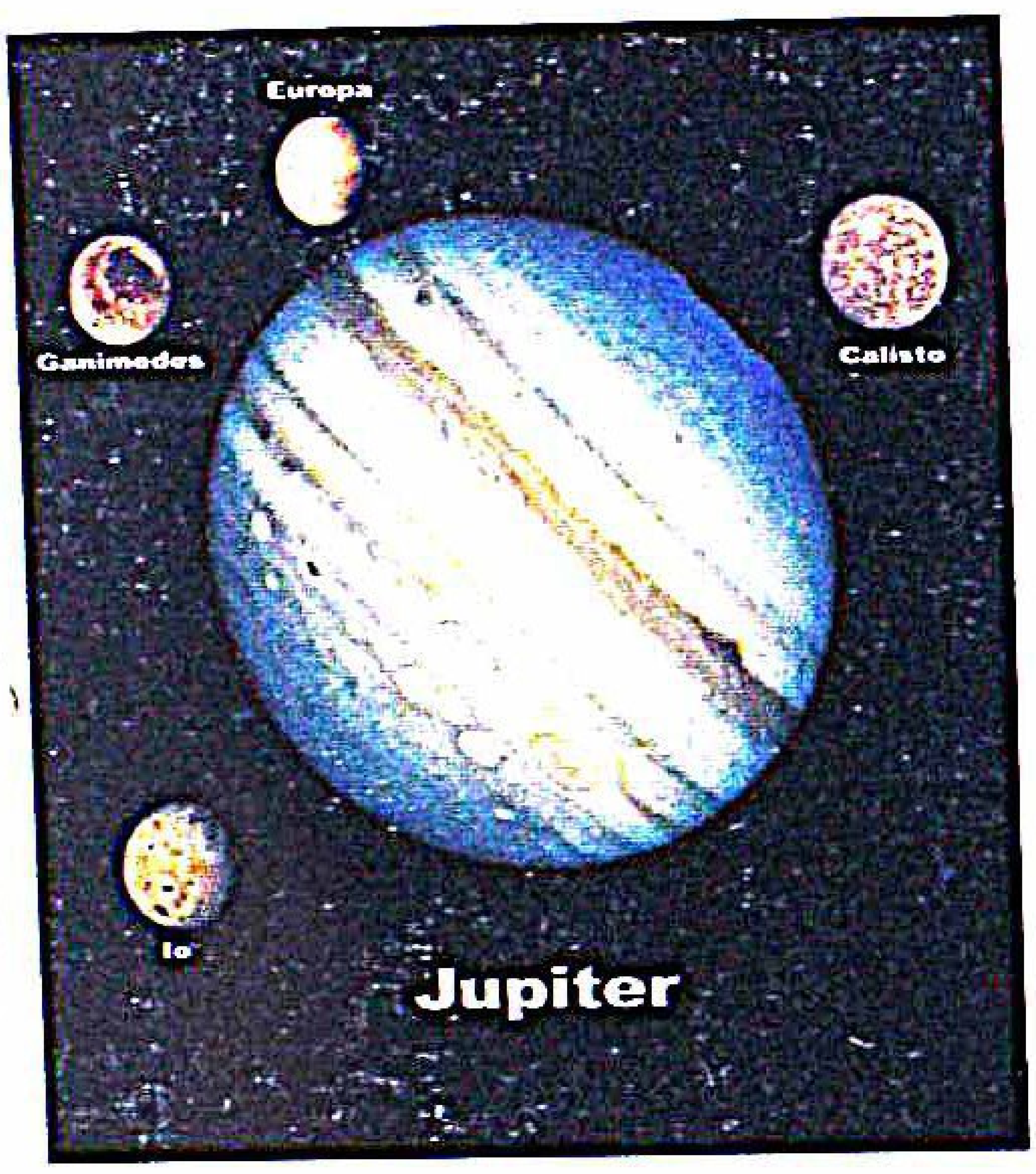

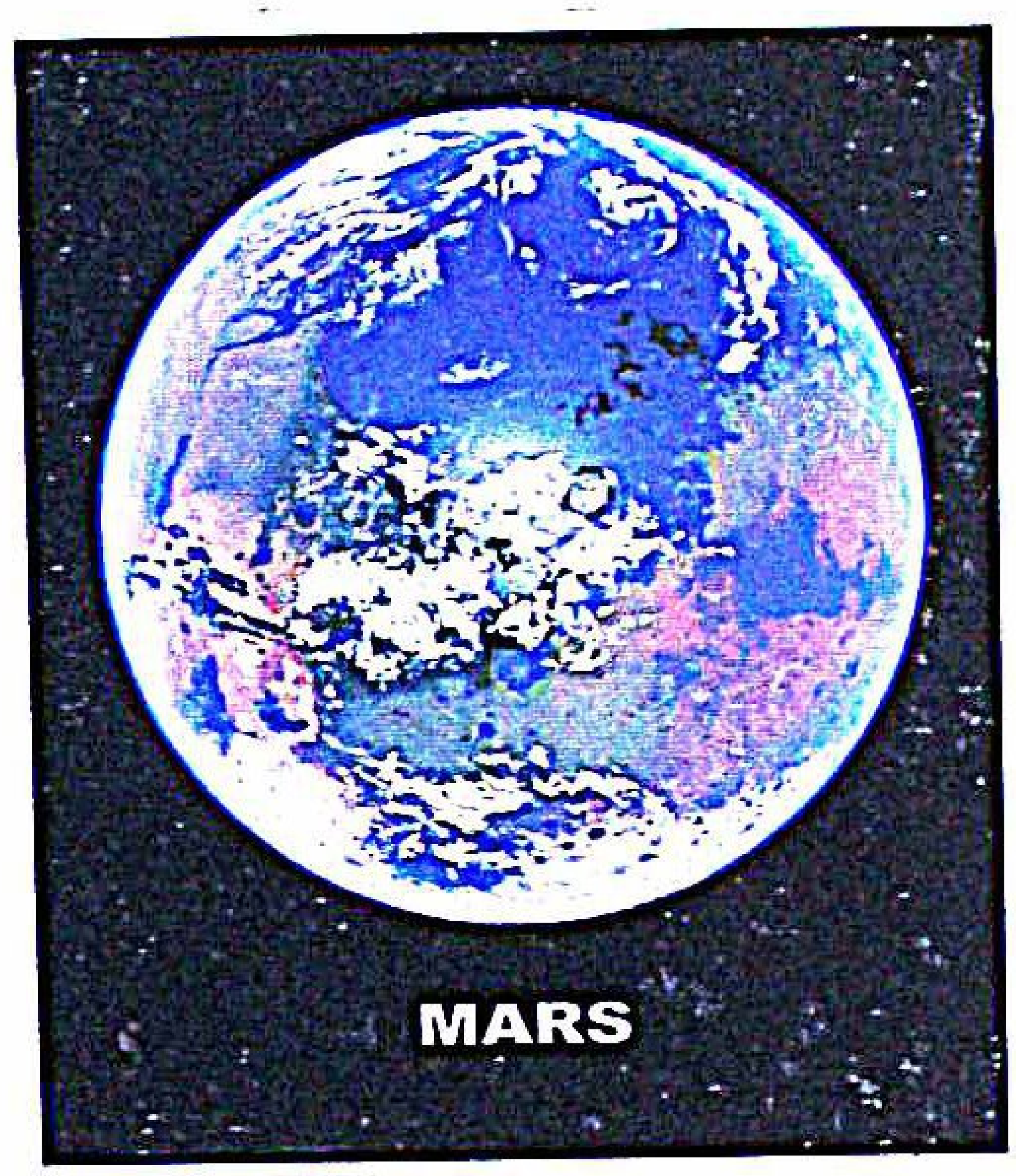

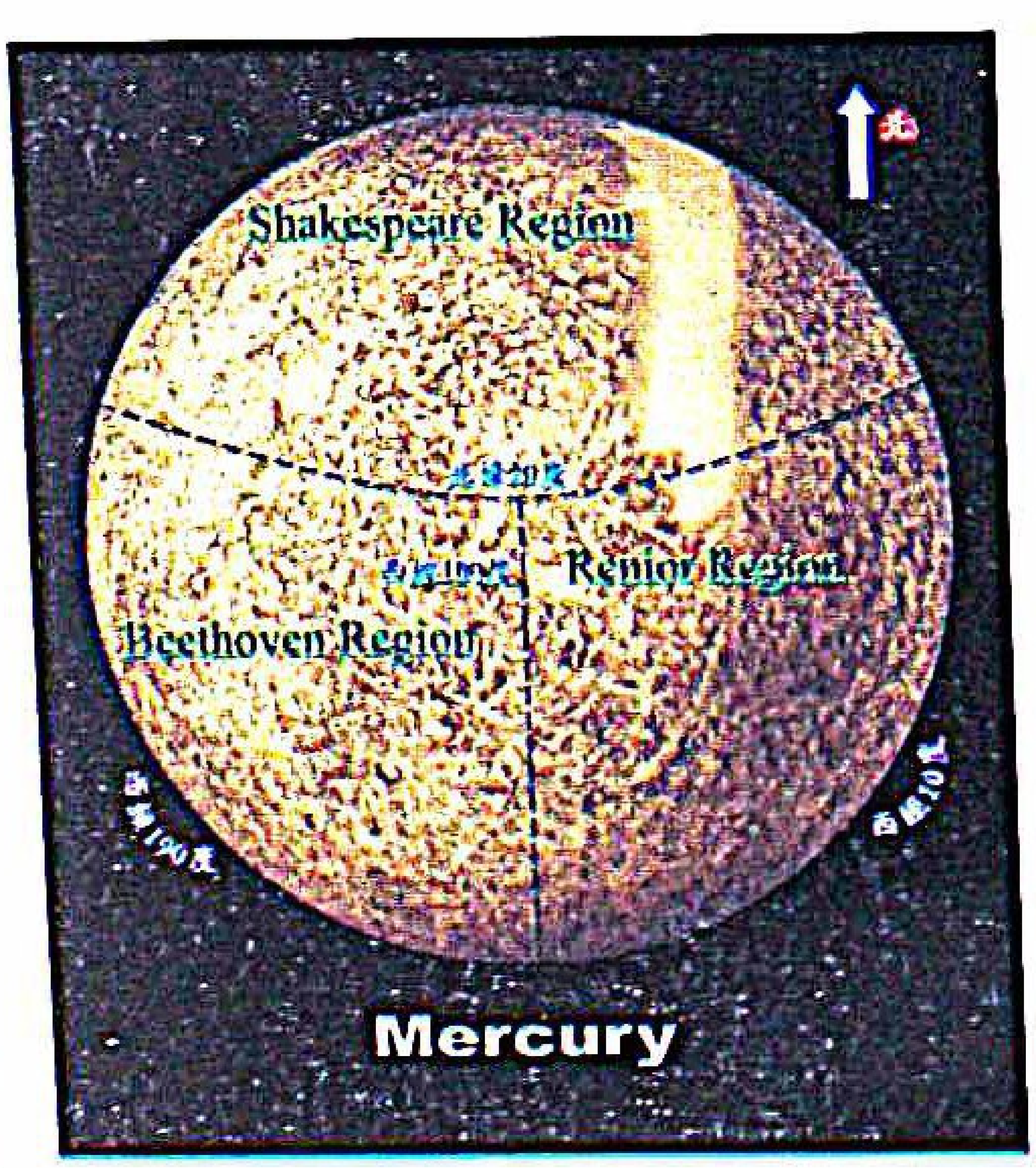

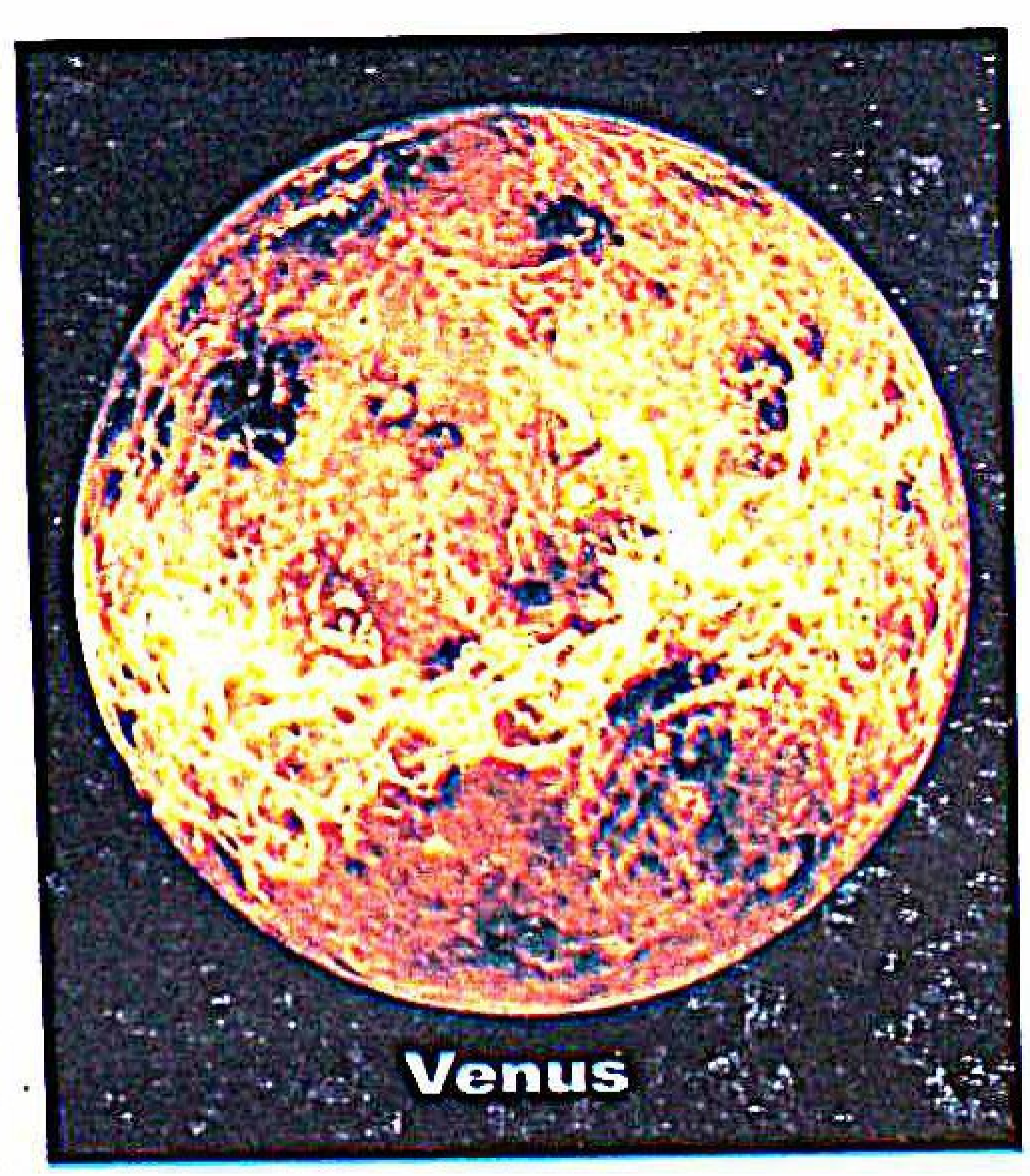

Marfat.com

نظامِ شمسی کے دیگر سیارے

	زحل	یورینس
سورج سے فاصلہ	1417760000 کلومیٹر	2852320000 کلومیٹر
وزن	6×10^{23} ٹن	6×10^{22} ٹن
قطر استوائی	119300 کلومیٹر	55800 کلومیٹر
قطر قطبی	107700 کلومیٹر	48860 کلومیٹر
کثافت	0.71	1.2
حجم	8.2×10^{17} (کلومیٹر)^3	8.2×10^{13} (کلومیٹر)^3
محوری گردش	10 گھنٹے 14 منٹ	
سالانہ گردش	10759 دن	84 سال
سطح کا درجہ حرارت	127 کیلون	90 کیلون
چاند		5

	نیپ چون	پلوٹو
سورج سے فاصلہ	4480000000 کلومیٹر	5872000000 کلومیٹر
وزن	1×10^{23} ٹن	6×10^{20} ٹن
قطر	43260 کلومیٹر	5920 کلومیٹر
کثافت	1.7	1.3
حجم	6.1×10^{13} (کلومیٹر)^3	0.9×10^{10} (کلومیٹر)^3
محوری گردش	15 گھنٹے 48 منٹ	6 دن 9 گھنٹے 16 منٹ
دوری گردش	تقریباً 165 سال	247.7 سال
چاند	2	

ہمارا سورج

سورج 24 گھنٹوں میں 345600000000 ٹن انرجی خارج کر رہا ہے۔ (یہ انرجی اس کے اندر سے مادہ کی بڑی مقدار کی تحلیل سے حاصل ہو رہی ہے) اس انرجی میں سے زمین کے ہر مربع میل کے حصہ میں تقریباً 47 لاکھ ہارس پاور آ رہی ہے۔ اس کی عمر زیادہ تر سائنس دانوں کے حساب سے ایک کھرب سال ہے لیکن صحیح عمر تو اللہ رب العزت ہی کے علم میں ہے۔

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ سورج اپنی موت کے قریب پھیلنا شروع کر دے گا اور پھیلتے پھیلتے اتنا بڑا ہو جائے گا کہ اس کے اندر عطارد اور زہرہ آ جائیں گے اور زمین کے قریب تک پہنچ جائے گا۔

سورج کی خصوصیات

وزن	2.2×10^{26} ٹن
سائز	333000 گنا زمین سے
قطر	1284000
حجم	1.3 ملین گنا زمین سے
کثافت	1.4
زمین سے فاصلہ	148835200 کلومیٹر

سطح کا درجہ حرارت 6000 کیلون ہے اور مرکز کی طرف بڑھتے بڑھتے کروڑوں ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی سطح پر آتشیں لہریں مچلتی رہتی ہیں اور ہزاروں میل اُونچے شعلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

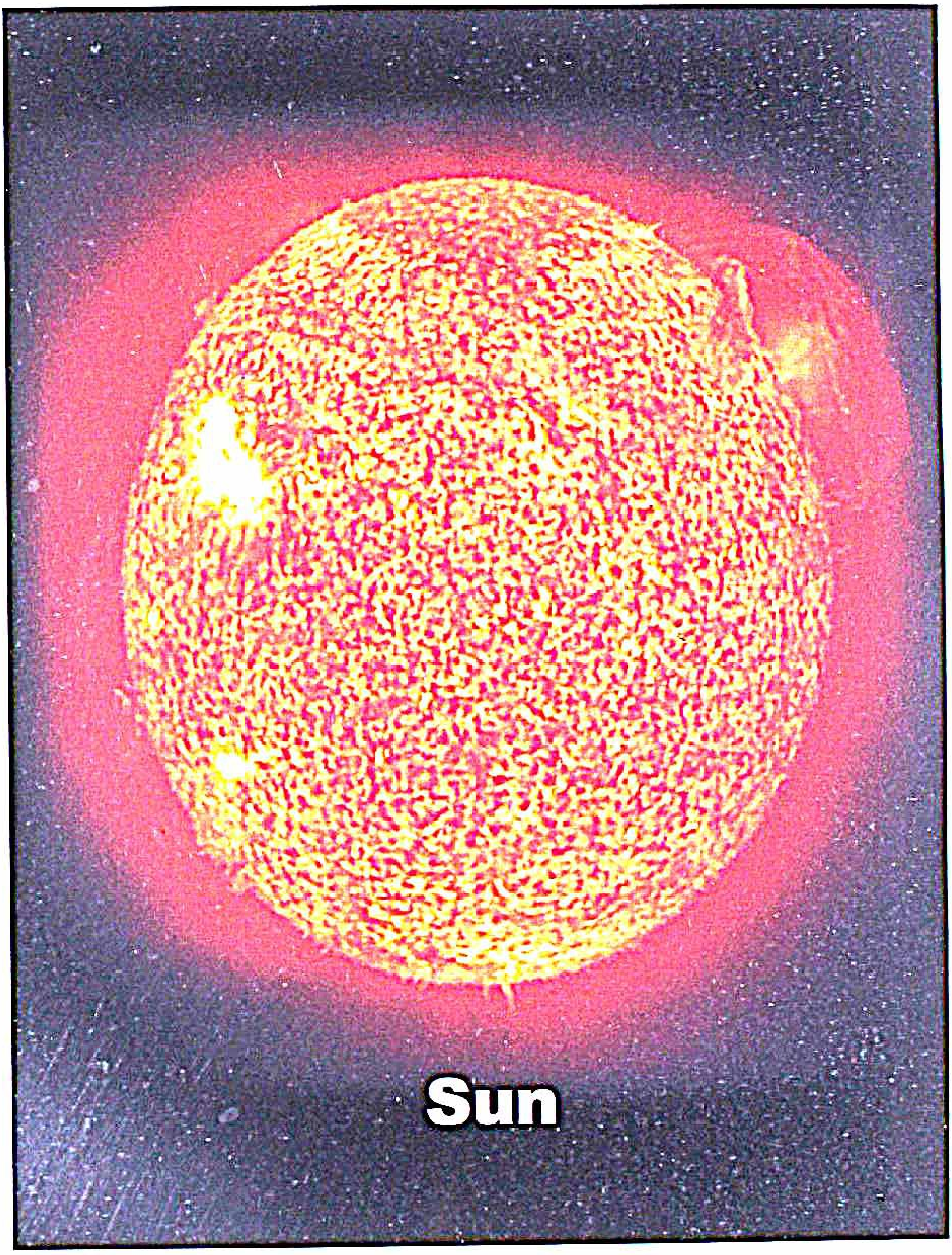
Sun

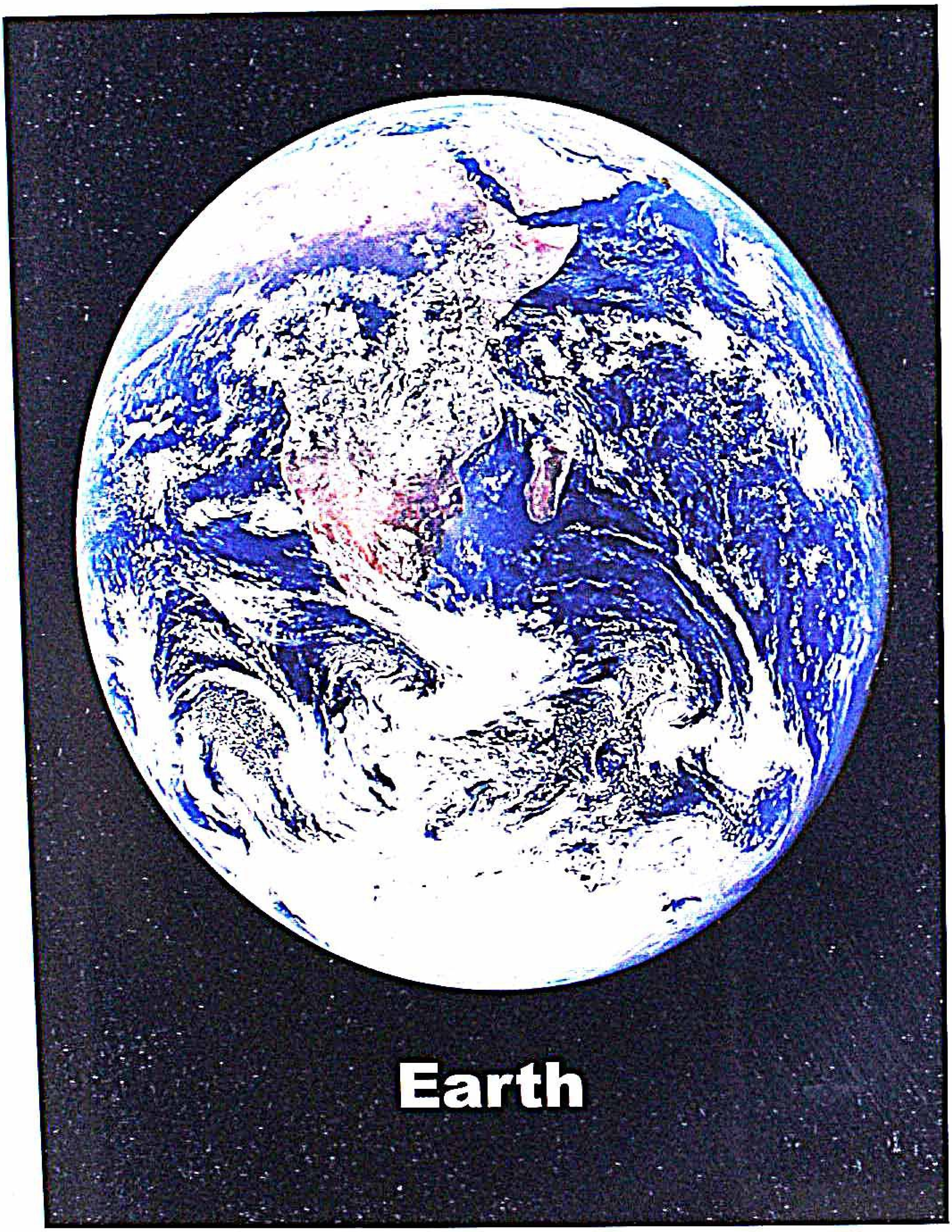

Earth

Marfat.com

سورج سے لاکھوں ٹن مادہ روزانہ توانائی میں تبدیل ہو رہا ہے اور اس کا جسم مسلسل تحلیل ہو رہا ہے۔ پھر بھی اس میں ایٹمی طاقت کا اتنا خزانہ موجود ہے کہ نظامِ شمسی کے کروڑوں سالوں کے لیے کافی ہے۔

سورج کے خاندان میں گیارہ سیارے ہیں۔ ان تمام سیاروں کے مدار سورج کے محور پر عمودی حالت میں ہیں۔ تمام سیارے سورج کے گرد ایک ہی سمت میں گردش کر رہے ہیں۔

مزید ایک سیارہ اور ایسا ہے جو سورج کے گرد اسی طرح سے محوِ طواف ہے جس طرح سورج کے خاندان کے گیارہ سیارے گردش میں ہیں۔ مگر اسے سورج کے خاندان (نظامِ شمسی) میں شمار نہیں کیا جاتا۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ O (انبیاء ۳۳)

''اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا (یہ) سب (یعنی سورج اور چاند اور ستارے) آسمان (میں اس طرح چلتے ہیں گویا) تیر رہے ہیں۔''

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَالِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ O (یٰسٓ ۳۸)

''اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے۔ یہ (خدائے) غالب (اور) دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔''

ہماری زمین:

ہمیں اپنی مادی زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہمارا مستقر بنایا ہے

Marfat.com

اور زمین کو زندگی کے لیے تمام ضروری ساز و سامان سے لیس کر رکھا ہے۔ سو آیئے کائنات کی وسعتوں سے نکل کر دوبارہ پھر اپنی زمین کی طرف آیا جائے۔

بتایا جاتا ہے کہ آج سے تقریباً 4.6 بلین سال قبل بڑی مقدار میں مادہ سورج سے خارج ہوا اور پھر یکجا ہو کر آتشیں حالت میں سورج کے گرد چکر کاٹنے لگا۔ یوں ہماری زمین کا وجود ہوا۔ اس وقت اس کا درجہ حرارت اس قدر زیادہ تھا کہ تمام کا تمام مادہ مائع کی حالت میں تھا۔ مادہ کی اس مائع حالت نے زمین کو گول کرے کی شکل دے دی۔ زمین کی ہی طرح نظام شمسی کے دیگر 7 سیارے بھی وقوع پذیر ہوئے اور سورج کا خاندان جسے نظامِ شمسی کہتے ہیں تخلیق پذیر ہوا۔ زمین نظامِ شمسی میں تیسرے نمبر پر ہے۔ اس کے نزدیک مارس اور وینس سیارے آتے ہیں۔ رفتہ رفتہ لاکھوں سالوں میں اس کا درجہ حرارت کم ہوتا گیا جس کے نتیجہ میں اس کی اُوپری سطح ٹھنڈی ہو کر سخت ٹھوس شکل اختیار کر گئی۔ سورج سے نکل کر اپنے مدار میں آنے پر زمین نے ایک تو اپنے محور پر لٹو کی مانند گھومنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ سورج کے گرد ایک مدار میں دائرہ دار گردش کرنے لگی۔

اپنے محور پر اس کی گردش کی رفتار تقریباً 24 گھنٹوں میں 40000 کلومیٹر یعنی تقریباً 1600 کلومیٹر فی گھنٹہ اور سورج کے گرد اپنے مدار میں اس کی رفتار تقریباً 112000 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ اپنے مدار میں ایک چکر کے دوران زمین 9 کروڑ 20 لاکھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ اس فاصلے کو طے کرنے میں اسے 365 دن 5 گھنٹے 48 منٹ اور 46 سیکنڈ لگتے ہیں۔

ہماری زمین سورج کے خاندان میں واحد سیارہ ہے جس پر زندگی اور پانی بڑی مقدار میں دونوں موجود ہیں۔ دوسرے کسی سیارے پر زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے

Marfat.com

اور پانی یا تو ناپید ہے یا پھر انتہائی گرم۔ بہت کم مقدار میں یا پھر بہت زیادہ سرد حالت میں ہے۔

زمین قطبین پر تھوڑا اپچکی ہوئی ہے اس کے شمالی اور جنوبی قطب کے درمیان محور کی لمبائی 12600 کلومیٹر ہے۔ مشرق اور مغرب کا درمیانی فاصلہ 12640 کلومیٹر ہے۔ خط استوا پر اس کا محیط 40000 کلومیٹر ہے۔

اس کی اوسط Density 5.5 ہے۔

اس کی سطح کا کل رقبہ 19 کروڑ 70 لاکھ مربع میل ہے۔ جس میں تقریباً 5 کروڑ 55 لاکھ مربع میل خشکی ہے اور بقیہ رقبہ پانی سے لبریز سمندروں پر مشتمل ہے۔

زمین پر سب سے اُونچی جگہ ایورسٹ ہے جو سطح سمندر سے 29027 فٹ بلند ہے اور سب سے گہری جگہ فلپائنی سمندری Antartica علاقہ میں 34440 فٹ گہری ہے۔ زمین کا مرکز سطح سمندر سے تقریباً 6400 کلومیٹر نیچے واقع ہے۔ جہاں آج بھی درجہ حرارت تقریباً 2 لاکھ ڈگری سینٹی گریڈ بتایا جاتا ہے۔

زمین کا وزن 6×10^{21} ٹن کے قریب ہے۔

زمین کی سطح پر تقریباً 65 کلومیٹر نیچے تک مٹی کی تہہ ہے۔ پھر 1450 کلومیٹر چٹانی تہہ ہے۔ اس کے نیچے 700 کلومیٹر تک ہلکا اور 700 کلومیٹر تک خالص لوہا ہے۔ مرکز سے تقریباً 3200 کلومیٹر تک نکل اور لوہے کا آمیزہ لاوے کی حالت میں موجود ہے۔

وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡهِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَیۡبِ ٥ (حدید ۲۵)

''ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فوائد ہیں تاکہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے

Marfat.com

اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے۔"

زمین کی سطح پر بلند پہاڑیوں کے سلسلوں میں زمین کی حالت کو ایک توازن دیا ہوا ہے۔ بصورتِ دیگر اس کا کبھی کوئی حصہ جنوب میں ہوتا تو کبھی وہی حصہ مشرق یا مغرب میں گردش کرتا رہتا۔

زمین کا محور 23.5^{0} جھکا ہوا ہے جس کی وجہ سے دن رات چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں اور موسم بدلتے رہتے ہیں۔

زمین کی قوتِ کشش نے اپنے تمام مادے کو خواہ وہ خشکی کا حصہ ہو یا سمندری پانی ہوا پنے سینے سے چمٹا کر رکھا ہوا ہے۔ اگر یہ قوتِ کشش نہ ہوتی تو تمام مادہ خلا میں بکھر کر معدوم ہو جاتا ہے۔

زمین کی سطح کے ہر جانب تقریباً 320 کلومیٹر کی بلندی تک ہوائی کرہ ہے جس میں زیادہ تر نائٹروجن 20 فیصد آکسیجن اور تقریباً فیصد کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس قابل ذکر ہیں۔

زمین کی فضا کو 5 مختلف پرتوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

1-Tropo Sphere: سطح سمندر سے 10 کلومیٹر اُوپر تک ہے جس میں ہوا اپنے خاص اجزائے ترکیبی اور مقدار میں ہے جو ہر طرح سے زندگی کے لیے مناسب ترین ہے۔

2- Strato Sphere: 80 تا 50 کلومیٹر تک فضا کا وہ حصہ ہے جو خلا سے زمین پر آنے والی مضر شعاعوں کو جذب کر کے یا تو Reflect کر کے زمین کو ان سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔

3-Pzone Layer: Start Sphere میں چالیس کلومیٹر اُوپر کا حصہ ہے جس

Marfat.com

میں Ozone Gas موجود ہے۔

4- **Meso Sphere**: 48-80 کلومیٹر تک اور

5- **Exo Sphere**: 80-500 کلومیٹر ہے۔

حیات کی جلا اور بقا کے انتظامات:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات میں موجود دور دراز کی کہکشاؤں سے لے کر ہمارے نظام شمسی تک اور نظام شمسی سے لے کر ہماری زمین تک اور زمین سے لے کر ہمارے جسم کے روئیں روئیں تک ہماری زندگی کی جلا و بقاء اور تحفظ کے وہ انتظامات کیے ہوئے ہیں جن کا شمار تو کیا ان سب کا ادراک اور تصور بھی ہم نہیں کر سکتے۔

نظامِ شمسی کا کہکشاں میں محل وقوع

اپنے نظامِ شمسی کے کہکشاں میں محلِ وقوع کو ہی لے لیجیے۔ کہکشاں میں اس کی جائے وقوع کہکشاں کے مرکز سے دور اس کے بل کھاتے ہوئے ایک بازو کے باہر کی جانب ہے۔ کہکشاں میں یہ جگہ نظامِ شمسی کے لیے محفوظ ترین جگہ ہے۔ اگر کہکشاں کے مرکز کے قریب کہیں نظامِ شمسی واقع ہوتا تو شاید زمین اتنی مدت قائم ہی نہ رہ سکتی جتنی مدت یہ اب تک گزار چکی ہے اور اس پر زندگی پھل پھول رہی ہے۔ نیز کہکشاں میں اس مقام پر ہمارا نظامِ شمسی کہکشاں میں موجود دیگر بڑے بڑے دیوہیکل ستاروں اور اس سے خارج ہونے والی مہلک شعاعوں کی شدت سے بھی محفوظ ہے جو حیات کی تباہی کا سبب ہوتی ہیں۔ کہکشاؤں کے بل کھاتے ہوئے بازو کے باہر کی جانب ہونے سے کہکشاں کے درمیان اور بازو کی اندرونی جگہ میں موجود دھوئیں اور گرد و غبار سے بھی ہمارا نظامِ شمسی ہٹ کر ہے جس کی وجہ سے ہم کائنات کا صاف طور پر اور بہتر طریقے سے نظارہ

کرنے کے قابل ہیں۔

زمین کی نظامِ شمسی میں جگہ

جس طرح کہکشاں میں ہمارا نظامِ شمسی محفوظ ترین جگہ پر ہے اسی طرح نظامِ شمسی میں ہماری زمین کی بھی جگہ اس کے لیے موزوں ترین جگہ ہے۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ زمین کو سورج کے آس پاس کسی ایسی جگہ رکھ دیں جہاں پر اس پر زندگی پھل پھول سکے تو آپ یقیناً زمین کو سورج سے اسی فاصلے پر رکھتے جس فاصلہ پر یہ آج ہے۔ اگر یہ سورج سے کچھ قریب ہوتو حدت کی زیادتی کی وجہ سے زندگی ختم ہو جاتی اور اگر اس کا فاصلہ سورج سے موجودہ فاصلہ سے زیادہ ہوتو حرارت کی کمی اس سے زندگی چھین لیتی۔ ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کریں کہ اس نے ہماری زمین کو سورج سے ایسے نپے تلے فاصلے پر رکھا ہوا ہے کہ سورج ایسا دہکتا ہوا آتشیں گولے کا وجود زمین پر ہمارے لیے زندگی بخش بنا ہوا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ٥ (اعراف ١٠)

''اور ہم ہی نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا اور اس میں تمہارے لیے سامانِ معیشت پیدا کیے (مگر) تم کم ہی شکر کرتے ہو۔''

ہوا اور فضا

دنیا میں قدم رکھتے ہی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہمارے نتھنوں سے لگی ہوئی ہے۔ ہوا کے اہم ترین اجزائے ترکیبی میں نائٹروجن، آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ

گیسوں کو وہ مناسب ترین تناسب ہزار ہا سال سے قائم ہے جس تناسب میں ذرا سی بھی تبدیلی زمین پر تمام جانداروں کے لیے مہلک ہے۔ آکسیجن 20 تا 21 فیصد، نائٹروجن 78 فیصد اور کاربن ڈائی آکسائیڈ 1 فیصد کے تناسب سے موجود ہے۔ آکسیجن جو ہمارے سانس لینے کے لیے از حد ضروری ہے۔ یہ اشیاء کو جلانے کے لیے لازمی عنصر ہے۔ اس کی 1 فیصد کی زیادتی زمین پر موجود جنگلات میں لگنے والی آگ کے امکانات کو 70 فیصد تک بڑھا دیتی ہے۔ غور کیجیے کہ اس کی مقدار اگر اپنے تناسب سے بڑھی تو زمین پر موجود تمام جنگلات جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ اس صورت میں کیا زمین پر حیات ممکن ہو گی۔

ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس سورج سے زمین پر آنے والی انفرارئیڈ شعاعوں کو واپس فضا میں نہیں جانے دیتی۔ اس کی فضا میں 1 فیصد کے تناسب سے موجودگی نے زمین کو اس حد تک گرم رکھا ہوا ہے جو حرارت ہر ذی حیات کو زندہ رکھنے کے لیے موزوں ہے۔ فضا میں اگر کاربن ڈائی آکسائیڈ نہ ہو تو ساری زمین کا درجہ حرارت نقطہ انجماد سے کم ہو جائے۔ تمام سمندر منجمد ہو جائیں اور آبی حیات زندہ ہی نہ بچے۔ اس کا فضا میں ایک سے دو فیصد کا اضافہ زمین کے درجہ حرارت میں اتنا اضافہ کر دے گا کہ جینا محال ہو گا۔ نیز زمین کے موسموں میں اس حد تک تبدیلی رونما ہو گی کہ زمین کا چپہ چپہ خوفناک موسموں کی زد میں ہر وقت ہو گا اور یوں بھی جینا وبال ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتِ کاملہ دیکھیے کہ زمین پر موجود تمام جانور بشمول انسان، چرند، پرند، حشرات الارض اپنی سانس کے عمل میں آکسیجن گیس خرچ کرتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف تمام درخت اور پودے کاربن ڈائی آکسائیڈ خرچ کرتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں اور یوں فضا میں آکسیجن اور

Marfat.com

کاربن ڈائی آکسائیڈ کا مناسب ترین تناسب ہزار ہا سال سے فضا میں بغیر کسی تبدیلی کے قائم ہے۔ آکسیجن گیس کا ایک آئی سوٹوپس اوزون گیس ہے۔ سطحِ زمین سے بلندی پر اوزون گیس کی ایک پرت پوری زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو فضا سے آنے والی الٹراوائلیٹ اور دیگر مہلک شعاعوں کو جذب کرتی رہتی ہے تاکہ زمین پر موجود زندگی اس سے محفوظ رہ سکے۔

یوں آپ نے دیکھا کہ زمین وہ فضا وہ ہوا فراہم کیے ہوئے ہے جو ہمیں سانس لینے کے لیے لازم وملزوم ہے۔ آسمانوں سے آنے والی مہلک شعاعوں سے اہلِ زمین کی حفاظت کر رہی ہے اور زمین پر درجہ حرارت کو بہت زیادہ ٹھنڈا یا گرم نہیں ہونے دیتی۔

زمین کا محوری جھکاؤ

ہم سب جانتے ہیں کہ زمین اپنے محور پر جھکی ہوئی سورج کے گرد گردش کر رہی ہے۔ یہ جھکاؤ قریباً 23° بتایا جاتا ہے۔ اس ذرا سے جھکاؤ کی وجہ سے ہمارے دن و رات چھوٹے اور بڑے ہو رہے ہیں۔ سمندر سے زمین کی طرف تو کہیں خشکی سے سمندروں کی طرف موسمی ہوائیں چل رہی ہیں اور سمندروں میں ٹھنڈے اور گرم پانی کی رویں رواں دواں ہیں اور ہمارے موسم بدل رہے ہیں جن کے ساتھ ساتھ انواع و اقسام کی فصلیں اور پھل پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر یہ محوری جھکاؤ نہ ہوتا تو یہ سب کچھ بھی نہ ہوتا۔

سمندروں کا پانی انتہائی کھاری ہے۔ اس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہیں تو خالص پانی بھاپ بن کر فضا میں آ رہا ہے۔ ہوائیں اسے بلندی پر لے جا کر بادلوں میں تبدیل

Marfat.com

کر کے زمین کے چپہ چپہ کی طرف چلی جاتی ہیں اور بارشوں کی شکل میں ہر ذی حیات تک پانی کی ترسیل جاری وساری ہے۔ پہاڑوں پر برف کی صورت میں بڑے بڑے اسٹاک موجود ہیں جن سے روزانہ پانی کی بڑی مقدار ندیوں اور چشموں کے ذریعے اہلِ زمین کو تقسیم ہو رہی ہے اور یوں کاروبارِ حیات زور و شور سے جاری ہے۔

پانی کا نقطہ انجماد

طبیعاتی اصول کے مطابق ہر شے خواہ وہ گیس مائع ہو یا ٹھوس حالت میں ہو گرم ہو کر پھیلتی ہے اور ٹھنڈی ہو کر سکڑتی ہے۔ اس قانونِ فطرت پر تمام اشیاء پابند ہیں یعنی اشیاء کا درجہ حرارت جیسے جیسے کم ہوتا ہے ان کی کثافت بڑھتی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف پانی میں یہ صفت ودیعت کی ہے کہ وہ 4 ڈگری سینٹی گریڈ کے بعد درجہ حرارت میں کمی ہونے پر بجائے سکڑنے کے اس کا حجم بڑھنے لگتا ہے۔ یعنی 4 ڈگری سے جب پانی کا درجہ ٔحرارت کم ہوتا جاتا ہے تو وہ دوسری اشیاء کے برخلاف بجائے وزنی ہونے کے ہلکا ہوتا جاتا ہے۔ پانی کی اس صفت کی وجہ سے برف پانی سے ہلکی ہوتی ہے اور پانی کی سطح پر تیرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف پانی میں یہ صفت رکھ کر تمام آبی جانوروں کی زندگی کو شدید سردی کے موسموں میں محفوظ کر دیا۔ اگر پانی میں وہ یہ صفت نہ ودیعت کرتا تو سمندروں کی سطح پر شدید سردی سے برف کی تہہ بنتی اور بجائے تیرنے کے وزنی ہو کر نیچے ڈوبتی جاتی۔ سرد علاقوں کے تمام سمندر پورے کے پورے سخت برف میں تبدیل ہو جاتے اور تمام آبی حیات موت سے ہم آغوش ہو جاتی۔ غور تو کیجیے کہ تمام آبی حیات کے خاتمے کے بعد حضرتِ انسان پر کیا گزرتی۔

Marfat.com

پانی بہترین محلل ہے

پانی تمام مائع اشیاء میں سب سے زیادہ بہتر محلل ہے جس کی وجہ سے ہر سال باقاعدگی سے کئی بلین ٹن کیمیائی اجزاء جو پانی میں رہنے والے جانداروں کی زندگی کے لیے ازحد ضروری ہیں پانی میں حل ہو کر دریاؤں کے ذریعے سمندروں میں پہنچ رہے ہیں اور آبی جانوروں کو باقاعدگی سے میسر ہو رہے ہیں جو ان کی زندگیوں کے لیے ضروری ہیں۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ○ (حج ۲۲)

''اور ہم ہی ہوائیں چلاتے ہیں (جو بادلوں کے پانی سے) بھری ہوئی (ہوتی ہیں) اور ہم ہی آسمان سے مینہ برساتے ہیں اور ہم ہی تم کو اس کا پانی پلاتے ہیں اور تم تو اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔''

پانی کا سطحی دباؤ

ہر سیال شے اپنا ایک مخصوص سطحی دباؤ رکھتی ہے۔ پانی میں یہ سطحی دباؤ تمام سیال مادوں سے زیادہ ہے جس کی وجہ سے تمام پودوں اور درختوں کو ان کی اُوپری چوٹیوں تک اور تمام پتوں کے آخری سروں تک پانی ان کی جڑوں سے بغیر پمپوں کی مدد کے پہنچ رہا ہے۔ اگر پانی میں سطحی دباؤ کی یہ زیادتی نہ ہوتی تو کسی درخت، کسی پودے کا زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا۔ اس صورت میں بغیر درختوں اور پودوں کی زمین پر کیا ہم اور دیگر خشکی کے جاندار زندہ رہ سکتے۔

Marfat.com

زمین کی سختی اور نرمی

زمین کی سطحی ساخت بھی کسی معجزے سے کم نہیں۔ نرم اتنی کہ ناخن سے کھودتے چلے جایئے کھدتی چلی جائے گی اور سخت اتنی ہے کہ بلند و بالا عمارتوں اور پہاڑوں کو اُٹھائے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں، حکمتوں اور مشیتوں کا شمار ناممکن ہے۔

خواہ ہم انہیں شمار کرنے میں اپنی پوری پوری زندگیاں ہی صرف کیوں نہ کر دیں۔ مندرجہ بالا چند مثالیں یہاں اپنی سوچ کے زاویوں کو اس طرف مرکوز کرنے کی غرض سے دی گئی ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الْاَرْضِ کَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ
كَرِیْمٍO اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَO

(شعرآء ۷-۸)

''کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کی کتنی نفیس چیزیں اُگائی ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ اس میں (قدرت خدا کی) نشانی ہے مگر یہ اکثر ایمان لانے والے نہیں۔''

زمین کی زرخیزی

اپنی زمین کی زرخیزی کی جانب کبھی آپ نے توجہ دی۔ ہم تمام جانداروں کی غذا کی تیاری اور مہیا کرنے کا یہ کتنا بڑا کارخانہ ہے۔ اس وقت زمین پر انسانوں ہی کی آبادی تقریباً 6 ارب سے زیادہ ہے۔ روزانہ اوسطاً فی کس کم سے کم آدھا کلو غذا ہی سے

Marfat.com

حساب لگائیں تو تقریباً 3000000 ٹن غذا تو صرف انسانوں کو مل رہی ہے۔ دیگر تمام جانداروں کو اس سے کئی گنا غذا جو درکار ہے وہ بھی اسی زمین کے کارخانے سے بلاناغہ روزانہ ہزارہا سالوں سے تیار ہو کر مل رہی ہے۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّاo ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّاo فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّاo وَّعِنَبًا وَّقَضْبًاo وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًاo وَّحَدَآئِقَ غُلْبًاo وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّاo (عبس ۲۵-۳۱)

''بے شک ہم ہی نے پانی برسایا۔ پھر ہم ہی نے زمین کو چیرا پھاڑا۔ پھر ہم ہی نے اس میں اناج اُگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارا۔''

ہر چیز کی بمقدار موجودگی اور فراہمی

ہمارے آس پاس وہ تمام کچھ جس پر ہماری زندگیوں کا انحصار ہے۔ آپ ذرا دیکھیں تو سہی وہ سب ہماری زمین پر ٹھیک ٹھیک اُسی مقدار میں ایک نعمت کی صورت میں موجود ہے جس مقدار میں ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ خواہ پانی ہو، ہوا ہو، حرارت ہو، سردی ہو، روشنی ہو، اندھیرا ہو، بارش ہو، موسم ہوں، انواع واقسام کی غذائی پیداوار ہو، درخت و پودے ہوں، سمندر ہوں، پہاڑوں پر برف کے ذخائر ہوں، دریا ہوں، آبی حیات ہو، چرند و پرند ہوں، دیگر حشرات الارض ہوں، زندگی کے لیے ضروری جراثیم ہوں یا موت سے ہم آغوش کرنے والی بیماریوں کے اسباب ہوں وغیرہ وغیرہ۔ سب کچھ ٹھیک ٹھیک مقدار میں ایک توازن کے ساتھ مہیا ہے۔ ان میں سے کسی بھی زیادتی یا کمی ہماری شامت کا سبب ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ○ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○

(حجر ١٩-٢١)

''اور ہم ہی نے تمہارے لیے اور ان لوگوں کے لیے جن کو تم روزی نہیں دیتے اس میں معاش کے سامان پیدا کیے اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو بمقدار مناسب اُتارتے رہتے ہیں۔''

حرام وحلال جانوروں کی پیدائش

یہ بھی کم حیران کن بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کو ہمارے کھانے کے لیے حلال قرار دیا ہے۔ مثلاً گائے، بکری، مرغی، مچھلی وغیرہ ان کی پیدائش میں ازحد برکت بھی رکھ دی ہے۔ روزانہ لاکھوں کی تعداد میں ذبح ہو رہے ہیں مگر ان کی نسلیں ہیں کہ ختم ہی نہیں ہونے کو آتیں۔ جب کہ وہ جاندار جنہیں حرام قرار دیا گیا ہے ذبح نہ ہونے کے باوجود ان کی نسلیں ختم ہو رہی ہیں اور ان کی نسلوں کے تحفظ کی فکر دامن گیر ہے۔

سطحِ زمین پر پہاڑوں کا کردار

زمین کی سطح پر بلند و بالا پہاڑوں نے زمین کی محوری گردش میں ایک نپا تلا توازن قائم ہوا ہے۔ (ٹھیک اسی طرح جس طرح ہم اپنی گاڑی کے پہیوں میں چھوٹے چھوٹے لوہے کے ٹکڑے چسپاں کر کے پہیوں کی محوری گردش کو Balance رکھتے ہیں) بصورتِ دیگر اگر یہ پہاڑ نہ ہوں تو زمین کا محور جغرافیائی اعتبار سے کسی ایک جہت میں

Marfat.com

قائم نہ رہے بلکہ بدلتا رہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَبِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ٥

(سورۃ لقمان ۳۱: آیت ۱۰)

''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلا ستون بنایا تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین پر پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانواڈول نہ ہونے لگے اور اس پر ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اُگائے۔''

Marfat.com

زمین اور اس پر موجود حیات کا انجام

ہماری اس کائنات کی تخلیق سے لیکر اب تک وقوع پذیر عوامل پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہی ایک نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس کی تخلیق اور نظامِ کار کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ خالقِ کائنات کی عظیم حکمت اور پلاننگ کے تحت ہی ممکن ہوسکا اس پر پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔ اسی بناء پر یہ بھی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس کائنات کا خاتمہ بھی اگر ہونا ہے تو اسی کی پلاننگ اور فیصلوں کے تحت ہی ہوگا کسی اتفاقی حادثہ کے تحت نہیں۔ تو آیئے حسب سابق تمہیدی طور پر اس ذمن میں پہلے کچھ عقلی۔ سائنسی نظریوں پر بات کر لیتے ہیں (جنکی بنیاد صرف حواسِ خمسہ اور عقل کی مرہون مِنت ہوتی ہے)۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی بہت ضروری ہے کہ سائنسی بیانات Absolute Truth تک رسائی نہیں رکھتے اور اپنے خود تصحیحی مزاج کی وجہ سے بتدریج بدلتے بھی رہتے ہیں نیز ان میں ریب یعنی شک کی بھی گنجائش ہمیشہ رہا کرتی ہے۔ سائنس کی رو سے زمین کی یا اس پر موجود حیات کی تباہی کو ہم دو اقسام میں بانٹ سکتے ہیں۔ اوّل کائنات میں وقوع پذیر بتدریج عوامل کے تحت تباہی دوئم کسی اتفاقی حادثہ کے تحت ہونے والی تباہی۔

یہ موضوع بذاتِ خود اتنا بڑا ہے کہ ایک الگ کتاب کا متقاضی ہے ہم یہاں طوالت سے بچتے ہوئے صرف اختصار سے چند مخصوص عوامل کے ذکر پر ہی اکتفا کریں گے۔ زمین کی یا زمین پر موجود حیات کی تباہی کے اسباب جو بتدریج وقوع پذیر ہو سکتے

Marfat.com

ہیں ان میں سے چند خاص کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت سمجھا جاسکتا ہے۔

(۱) یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ہمارا سورج توانائی کی بہت بڑی مقدار مسلسل خارج کررہا ہے۔ اسکے اپنے اندر اچھی خاصی پیدا بھی ہورہی ہے لیکن اسکی مقدار خارج ہونے والی توانائی کی مقدار سے کم ہے۔ نتیجہ میں سورج آہستہ آہستہ ٹھنڈے ہونے کے عمل سے گزر رہا ہے ایک زمانے کے بعد جو کہ کروڑوں سالوں پر محیط ہوسکتا ہے سورج کی حرارت میں اتنی کمی واقع ہوجائیگی کہ اس کی وجہ سے زمین پر حیات ممکن نہیں رہے گی۔

(۲) ہم سب جانتے ہیں کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے سائنس دانوں کے خیال میں ایک دن کائنات کے پھیلنے کا عمل رک جائیگا۔ اور پھر تمام ستارے سیارے ایک دوسرے کی جانب کھنچے چلے آئیں گے اور آخر کار ٹکرا کر تباہ ہوجائیں گے یوں زمین کی تباہی بھی ان کے ساتھ ناگزیر ہے۔ ایک دوسرے سائنسی نظریہ کے مطابق اگر یہ پھیلنے کا عمل جاری رہا تو ایک دن تمام کہکشائیں جل بجھیں گی اور انکے ساتھ یہ زمین کو محفوظ نہیں رکھ سکے گی اور زمین پر زندگی ممکن نہ ہوگی۔

(۳) زمین کا مقناطیسی ہالا رفتہ رفتہ کمزور ہوتا جارہا ہے جو کہ زمین کو کاسمک شعاعوں کی تباہی سے محفوظ رکھتا ہے مقناطیسی ہالے میں واقع ہونے والی کمی بھی اس حد رفتہ رفتہ کم ہوجائیگی کہ کاسمک شعاعوں کی تابکاری کی یلغار سے زمین کو محفوظ نہیں رکھ سکے گی اور زمین پر زندگی ممکن نہ ہوگی۔

Marfat.com

(۴) دیگر ستاروں سیاروں اور سورج کی قوتِ کشش کی زد میں رہتے ہوئے زمین کی محوری گردش رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے اور ایک وقت ایسا آئیگا جب یہ رک جائیگی اور اسکا ایک ہی رخ ہمیشہ سورج کی جانب رہیگا اور دوسرا اندھیرے میں۔ جیسا کہ زہرہ اور عطارد کی فی الحال حالت ہے۔ یوں زمین کا جو رخ سورج کی جانب ہوگا وہ اتنا گرم ہوگا کہ زندگی کے لیئے قاتل اور جو حصہ سورج کی مخالف سمت میں ہوگا وہاں کی سردی زندگی کے امکان کو ختم کردے گی۔

(۵) سورج اپنے مرکزی ستارے Lyra کی جانب انتہائی تیز رفتاری سے بڑھتا جارہا ہے۔ جب سورج اسکے خاصے قریب پہنچ جائیگا تو Lyra اسے اپنی قوتِ کشش سے اپنے اندر کھینچ لیگا یوں یہ پورا نظامِ شمسی بھی سورج کے ساتھ اپنی موت سے ہمکنار ہوگا۔

(۶) زمین پر تیل اور کوئلے کے ذخائر جلائے جارہے ہیں جنکی وجہ سے ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کا تناسب بڑھتا جارہا ہے جو گرین ہاؤس افیکٹ کا موجب ہے۔ اسکے نتیجہ میں زمین کا درجہ حرارت رفتہ رفتہ مسلسل بڑھ رہا ہے۔ اس عمل کو اگر نہ روکا اور قابو کیا گیا تو ایک دن زمین کا درجہ حرارت اس حد تک پہنچ سکتا ہے کہ زمین پر حیات کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ اور یہ ایک ویران بنجر اور گرم سیارے کی شکل اختیار کرلے۔

یہ تو وہ چند خاص عوامل ہیں جنکی وجہ سے زمین اور زمین پر حیات کے بتدریج تباہ ہو جانے کی پیشن گوئیاں سائنس داں کرتے چلے آرہے ہیں۔ اب ان چند

اتفاقی حادثات کا ذکر بھی کرلیا جائے جو ہلکلحت کرۂ اِرض کی یا اس پر موجود حیات کی تباہی کا سبب ہو سکتے ہیں۔

(۱) کسی بڑے دمدار ستارے سے تصادم زمین کو اتفاقی طور پر تباہ کر سکتا ہے۔ یہ ٹکراؤ اس زمین پر بڑے خوفناک زلزلوں کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ اگر کسی بڑے دمدار ستارے کی دم کی کثیف گرد کی زد میں زمین آگئی تو اُسکی راکھ زمین پر موجود آکسیجن کو نگل لے گی اور تمام جاندار دم توڑ دیں گے۔ یہ نہ سوچا جائے کہ فلاں بڑا دم دار ستارہ تو اپنے راستے پر ہے اسکا زمین سے ٹکرانے کا امکان نہیں۔ دمدار ستارے کسی بڑے سیارے یا ستارے کی قوتِ کشش میں داخل ہوکر اپنا راستہ تبدیل بھی کرلیا کرتے ہیں۔

(۲) آسٹرائید جو دھات اور چٹانوں کے بھاری مواد سے بنے ہوتے ہیں اور یہ اتنے بڑے بھی ہوتے ہیں کہ انکی ٹکر بھی زمین کو نیست و نابود کر سکتی ہے۔ آسٹرائیڈ کی خاصی تعداد مریخ اور مشتری کے درمیان پائی جاتی ہے۔

(۳) کرہ ارض کی کسی بجھے ہوئے تاریک ستارے کی ٹکر بھی زمین کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ بجھے ہوئے ستارے تاریک ہونے کے سبب نظر بھی نہیں آتے۔

(۴) بعض ستارے اپنی آخری عمر میں پھیلنا شروع کر دیتے ہیں اور پھیلتے پھیلتے اپنے سائز سے کئی سو گنا بڑے ہو جاتے ہیں اور پھر پھٹ جاتے ہیں اگر سورج کبھی اس حال کو پہنچا تو اپنے قریب ترین سیارے کو تو نگل لے گا اور عین امکان ہے کہ وہ زمین

Marfat.com

کے بہت قریب آ جائے گا۔ اور اس کے اٹھنے والے شعلوں کی زد میں زمین ہوگی۔ جو اسے جلا کر بھسم بھی کر سکتے ہیں۔

(۵) شہاب ثاقب جو کائناتِ بسیط میں آزاد گھوم رہے ہیں اور یہ چھوٹے بڑے ہر سائز کے ہوتے ہیں۔ یہ جب کسی سیارے کی کشش کی زد میں آتے ہیں تو اسکی سمت دوڑ پڑتے اور اس سے ٹکرا بھی جایا کرتے ہیں۔ ہماری زمین پر اکثر چھوٹے سائز کے شہاب برسا کرتے ہیں لیکن سطحِ زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی ہوائی کرے میں جل کر ختم ہو جاتے ہیں اس بات کا بھی ہر وقت خدشہ موجود ہے کہ کوئی بڑے سائز کا شہاب ثاقب کبھی کسی وقت زمین سے ٹکرا کر قیامت کی تباہی پیدا کر سکتا ہے۔

(۶) بلیک ہول کائنات میں بہت چھوٹے سائز سے لیکر بڑے سائز تک کے موجود ہیں ان میں مادہ اتنی کثیف حالت میں ہوتا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی بلیک ہول میں زمین کو ڈالا جائے تو یہ شاید ٹینس کی گیند کے برابر رہ جائے۔ یہ اتنے کثیف ہوتے ہیں کہ روشنی بھی نہ تو ان میں سے گذر سکتی ہے اور نہ ہی ٹکرا کر واپس نکل سکتی ہے۔ خدا نخواستہ اگر کبھی کسی بلیک ہول سے اتفاقاً زمین کا ٹکراؤ ہوا تو وہ اسے آنِ واحد میں ملکِ عدم میں پہنچا دے گا۔

اب آیئے وحیِ الٰہی کی جانب جس میں علم اور معلومات خود خالقِ کائنات کی فراہم کردہ ہوتی ہیں اور شک وشب سے قطعی پاک اور Absolute truth ہوتی ہیں۔ اس زمین پر تباہی اور حیات کے خاتمہ کے واقعہ کو قرآنِ کریم میں قیامت سے موسوم کیا

ہے چند مثالیں قرآنِ کریم سے قیامت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

(۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قیامت کے آنے کو نہیں ٹال سکتا

لَيۡسَ لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۝

ترجمہ: اللہ کے سوا اسکو (قیامت) ہٹانے والا نہیں

(۲) قیامت کا نقشہ زمین کا حال

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝

وَّحُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝

فَيَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ۝

وَانۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوۡمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝

ترجمہ: پھر جب ایک مرتبہ سور میں پھونک ماردی جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اس روز وہ ہونے والا واقعہ پیش آ جائے گا۔ اس دن آسمان پھٹے گا اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے گی۔

(۳) قیامت ایک عظیم حادثہ ہوگی

اَلۡقَارِعَةُ ۝ مَا الۡقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدۡرٰكَ مَا الۡقَارِعَةُ ۝

يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۝ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۝

ترجمہ: عظیم حادثہ کیا ہے وہ عظیم حادثہ۔ تم کیا جانو وہ عظیم حادثہ کیا ہے۔ وہ دن

Marfat.com

جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اُون کی طرح ہونگے۔

(۴) قیامت کے روز ستارے ماند پڑ جائیں گے۔آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔ پہاڑ دھنک ڈالے جائیں گے۔وہ فیصلے کا دن ہوگا۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ o وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ o
وَاِذَالْجِبَالُ نُسِفَتْ o وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ o لِاَیِّ یَوْمٍ
اُجِّلَتْ o لِیَوْمِ الْفَصْلِ o وَمَآ اَدْرٰکَ مَایَوْمُ الْفَصْلِ o
وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ o

ترجمہ: پھر جب ستارے ماند پڑ جائیں گے۔ آسمان پھاڑ دیا جائے گا اور پہاڑ دھنک ڈالے جائیں گے اور رسولوں کی حاضری کا وقت آ پہنچے گا۔اس روز وہ چیز واقع ہو جائیگی۔کسی روز کے لیے یہ کام اٹھا رکھا گیا ہے؟ فیصلے کے روز کے لیے تمہیں کیا خبر کہ وہ فیصلے کا دن کیا ہے تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

(۵) قیامت کب واقع ہوگی اسکا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا o فِیْمَ اَنْتَ مِنْ
ذِکْرٰهَا o اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا o

ترجمہ: یہ لوگ تم سے (اے رسولؐ) پوچھتے ہیں کہ آخر وہ گھڑی کب آئے گی۔ تمہارا کیا کام کہ اسکا وقت بتاؤ۔اس کا علم تو بس اللہ پر ختم ہے۔

Marfat.com

(۶) قیامت کا روز انسان کو سب اگلا پچھلا کیا دھرا بتا دیا جائیگا

یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ

ترجمہ: اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائیگا۔

(۷) قیامت کے دن آنکھیں پتھرا جائیں گی چاند اور سورج یکجا ہو جائیں گے۔ انسان کو کہیں جائے پناہ نہیں ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا دن ہوگا۔

یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَةِ ؕ وَخَسَفَ الۡقَمَرُ ۙ
وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ ۙ یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ
اَیۡنَ الۡمَفَرُّ ۚ اِلٰی رَبِّکَ یَوۡمَئِذِۣ الۡمُسۡتَقَرُّ ؕ
یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ

ترجمہ: انسان پوچھتا ہے آخر کب آنا ہے وہ قیامت کا دن۔ اس دن آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ چاند بے نور ہو جائیگا۔ چاند سورج ملا کر ایک کر دئے جائیں گے۔ اس وقت یہی انسان کہے گا۔ کہاں بھاگ کر جاؤں۔ ہرگز نہیں۔ وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ اس روز تیرے رب ہی کے سامنے جا کر ٹھہرنا ہوگا۔ اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائیگا۔

مندرجہ بالا آیات اور اسی مفہوم کے متعلق بہت سی آیتیں قرآنِ کریم میں جابجا موجود ہیں جو قیامت کے ذکر اور اسکی حقیقت سے صاف صاف آگاہی دے رہی ہیں۔

Marfat.com

وقت

یہ کتاب اگر آج سے 80-70 برس پہلے لکھی گئی ہوتی تو شاید یہ مضمون اس کتاب میں شامل نہ ہوتا کیونکہ آج سے 50 برس پہلے تک وقت کو ایکConstant نا قابل تغیر سمجھا جاتا رہا لیکن گزشتہ 50 برسوں پر محیط تحقیق اور مشاہدے نے اس تصور کو قطعی بدل کر رکھ دیا ہے۔ انسانی تاریخ کے گزشتہ زمانوں پر اگر آپ نظر ڈالیں تو ایسی کئی مثالوں سے واسطہ پڑتا ہے کہ وقت کو قطعی حقیقت پر مبنی سیکڑوں سالوں تک اس طرح Constant سمجھا جاتا رہا کہ اس پر سوچنا یا اس کے خلاف تجربات اور مشاہدات کرنے کو عبث گردانا جاتا رہا۔ مثلاً یہ خیال تھا کہ ایک وزنی چیز یعنی لوہے کے ٹکڑے اور ایک ہلکی شے یعنی لکڑی وغیرہ کو اگر اُونچائی سے ایک ساتھ زمین پر گرایا جائے گا تو وزنی چیز زمین تک پہلے پہنچے گی لیکن صرف ایک تجربہ نے ہی ذہنوں میں راسخ اس تصور کی یکلخت نفی کر کے رکھ دی۔ اسی طرح کے اور بھی کئی غلط تصورات جوں کے توں عرصہ دراز تک لوگوں کے ذہنوں میں منطقی اور حقیقت پر مبنی تصور کیے جاتے رہے حالانکہ وہ قطعی غلط تھے۔ مثلاً زمین مرکز ہے اور تمام ستارے سورج چاند وغیرہ اس کے گرد طواف کرتے ہیں۔ اس عقیدے کو بھی آخر کار دم توڑنا پڑا اور یہ بات تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر تسلیم کرنا پڑی کہ زمین مرکز نہیں بلکہ یہ سورج کے گرد طواف کرتی ہے۔ ان مثالوں کی ہی طرح فی زمانہ گزشتہ 50 سالوں میں تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر سائنسی اعتبار کے ساتھ یہ تصور یہ عقیدہ بھی

Marfat.com

غلط ثابت ہو چکا ہے کہ وقت ایک نا قابل تغیر چیز ہے۔ اس کی رفتار نہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے اور فضا یعنی Space کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے۔ فضا (Space) کو تو تبدیل کیا جا سکتا ہے مگر وقت کو نہیں اور نہ ہی ان دونوں میں باہمی کوئی تعلق ہے۔ آج کے جدید سائنسی تحقیقات کی رو سے یہ ثابت ہے کہ فضا اور وقت دونوں باہم ایک تعلق میں بندھے ہوئے ہیں اور فضا کے ساتھ ساتھ وقت بھی گھٹ بڑھ سکتا ہے۔ فضا اور وقت کے اس باہم رشتے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں اپنے ذہنوں میں راسخ اس تصور سے ہٹنا پڑے گا اور خیالات کو یکسر بدلنا پڑے گا کہ وقت سے متعلق جدید سائنسی تصور اس قدر انقلابی نوعیت کا ہے کہ اس من وعن قبول کر لینا آسان نہیں۔

آیئے! اب اس مشکل مضمون کی طرف بڑھتے ہیں۔ میری کوشش ہوگی کہ اسے آسان اور عام فہم زبان میں سامنے لاسکوں کہ ایک عام قاری کو بھی اسے سمجھنے میں وقت نہ ہو اور وہ اس کے صحیح تصور کا ادراک کر سکے۔

اس مضمون کے پہلے حصے میں ہم دیکھیں گے کہ وقت کے گزرنے کے احساس کو ہم کسی واقعے کے ہونے سے کرتے ہیں مثلاً گھڑی کے گھنٹے والی سوئی جب ایک چکر مکمل کر لیتی ہے تو ایک گھنٹہ گزرتا ہے یا سورج 12 گھنٹوں میں طلوع ہو کر غروب ہوتا ہے۔ واقعات کو ہوتا ہوا ہم نظروں سے دیکھ کر کرتے ہیں۔ لہٰذا بات یہاں سے شروع کی جائے کہ ہم کسی عمل کو یا کسی شے کو دیکھتے کیسے ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ جب روشنی کی شعاعیں کسی شے پر پڑتی ہیں تو روشنی اس شے سے ٹکرا کر واپس ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہے اور ہماری آنکھیں جو ایک کیمرے کے اصول پر کام کرتی ہیں اس کا عکس آنکھ میں موجود پردے پر بناتی ہے جس کا احساس ہمارے دماغ تک پہنچتا ہے اور وہ شے ہمیں نظر آ رہی ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں

Marfat.com

یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب روشنی کی شعاعیں کسی شے پر پڑتی ہیں اور اس سے ٹکرا کر ہماری آنکھ تک پہنچتی ہے تو وہ شے ہمیں نظر آ رہی ہوتی ہے جیسا کہ خاکہ نمبر 1 میں دکھایا گیا ہے۔

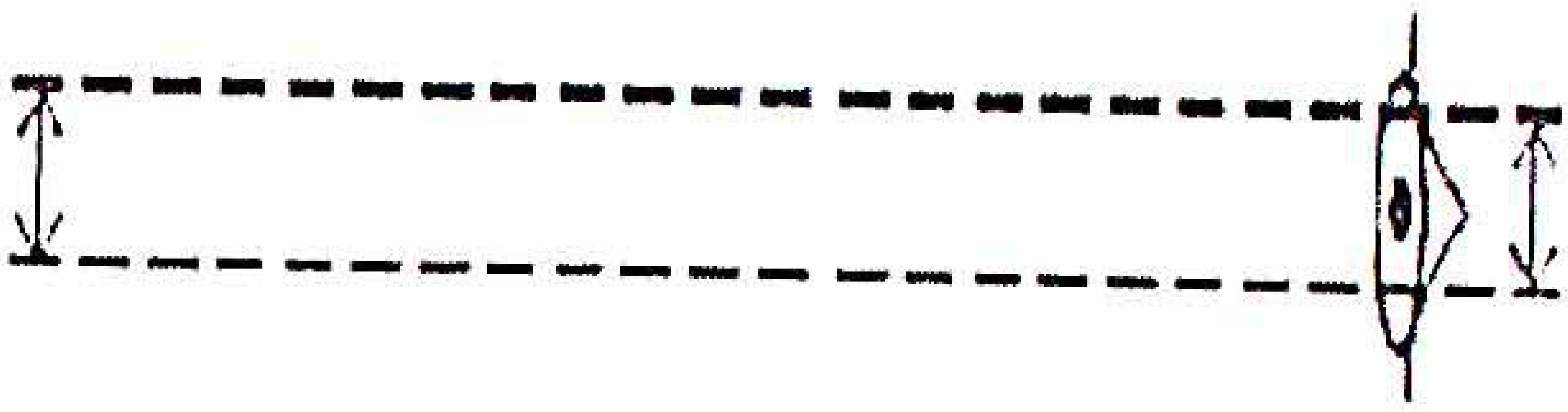

اگر روشنی اس شے پر نہ پڑ رہی ہو یا اندھیرا ہو تو وہ شے موجود ہونے کے باوجود ہمیں نظر نہیں آتی۔

یا اس شے سے ٹکرا کر ہماری آنکھ تک آنے والی شعاع کے راستے میں کوئی رکاوٹ آ جائے تب بھی وہ شے ہمیں نظر نہیں آئے گی مثلاً ایک موم بتی کو ہم دیکھ رہے ہوں اور موم بتی اور ہماری آنکھ کے درمیان کوئی کتاب آ جائے تب موم بتی ہمیں نظر نہیں آئے گی کیونکہ موم بتی سے ہماری آنکھ تک آنے والی شعاعوں کو کتاب راستے ہی میں روک لے گی۔ یہاں تک تو بات اتنی آسان ہے کہ اس سے ہم سب واقف ہیں۔

روشنی جو تقریباً 3 لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے اس مادی کائنات میں تیز ترین سفر کرنے والی چیز مانی جاتی ہے۔

روشنی کی اس تیز رفتاری کی بنا پر ہی ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ جو چیز ہم دیکھ رہے ہیں وہ اس وقت ایسی ہے کیوں کہ روشنی کی شعاعیں اس سے ٹکرا کر فوراً ہماری آنکھ تک پہنچ جاتی ہیں۔

لیکن یہ بات ان مناظر کے لیے تو صحیح ہے جو ہمارے قرب و جوار میں موجود ہیں لیکن پچھلے صفحات میں جب ہم اس مادی کائنات میں اپنی کہکشاں اور اس جیسی کروڑوں

Marfat.com

کہکشاؤں کو سمجھ رہے تھے تو ہم نے دیکھا کہ یہ کائنات اتنی وسیع و عریض ہے کہ اس میں ایک سیارے یا ستارے سے دوسرے ستارے یا سیارے تک روشنی کو پہنچنے میں ہزاروں سال یا کئی لاکھ سال تک لگتے ہیں۔

اب اگر آپ سے کہا جائے کہ ذرا یہ بتلایئے کہ اس وقت سورج کی حالت کیا ہے تو آپ فوراً سورج پر نظر ڈالیں گے اور کہیں گے کہ اس وقت سورج میری نظروں کے سامنے ہے اور میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت سورج ایک روشنی کے انتہائی روشن گولے کی طرح ہے۔ میں آپ سے کہوں گا کہ آپ کا بیان غلط ہے۔

اس لیے کہ سورج زمین سے 8 منٹ روشنی کے فاصلے پر ہے یعنی سورج سے نکلنے والی ہر شعاع زمین پر آٹھ منٹ بعد پہنچتی ہے۔ یعنی زمین سے جب آپ سورج کو دیکھ رہے ہوتے ہیں تو اس سے آٹھ منٹ پہلے نکلنے والی شعاعوں کے ذریعے دیکھ رہے ہوتے ہیں یعنی آٹھ منٹ پہلے کے سورج کو دیکھ رہے ہوتے ہیں یعنی 8 منٹ پہلے کا سورج کا ماضی دیکھ رہے ہوتے ہیں اس کا حال نہیں۔

اب اگر آپ اتنے فاصلے سے جتنے فاصلے پر زمین سے سورج واقع ہے زمین کا مشاہدہ کریں تو زمین کے حال Present کو نہیں بلکہ زمین کے 8 منٹ پیشتر کے ماضی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ کیوں کہ زمین پر پڑنے والی روشنی کی شعاعیں زمین سے ٹکرا کر آٹھ منٹ بعد آپ کی آنکھوں تک پہنچ رہی ہوں گی۔

کون کہتا ہے کہ آپ زمین پر ماضی میں ہونے والے واقعات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ دیکھ سکتے ہیں صرف آپ کو زمین سے روشنی کے اس فاصلے سے مشاہدہ کرنا ہوگا۔

اگر آپ زمین کا ایک سال کا ماضی دیکھنا ہو تو اس مقام سے زمین کو دیکھیں جو ایک

Marfat.com

نوری سال فاصلے کی دوری پر واقع ہے۔

اگر 1000 سال کا ماضی دیکھنا چاہتے ہیں تو اس مقام سے مشاہدہ کریں جو زمین سے 1000 نوری سال فاصلے پر موجود ہے اور یہ فاصلے ہماری اس وسیع وعریض کائنات میں کوئی بڑے فاصلے نہیں لیکن مجبوری یہ ہے کہ فی الحال اس مادی وجود میں رہتے ہوئے ہمارے لیے ان فاصلوں تک رسائی آنِ واحد میں ممکن نہیں کہ ہم جب چاہیں آنِ واحد میں ان فاصلوں تک پہنچ جائیں۔ ہماری ان مادی کائنات میں ستارے اور سیارے ان فاصلوں پر موجود ہیں کوئی ہم سے 100 نوری سال کے فاصلے پر ہے تو کوئی ایک لاکھ سال نوری سال کے فاصلے پر ہے تو کوئی کئی لاکھ نوری سال کے فاصلے پر موجود ہے اور جب ہم زمین سے انہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں تو ان کے حال کو نہیں بلکہ ان کے اسی ماضی کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ایک نوری سال کا فاصلہ وہ فاصلہ ہوتا ہے جو فاصلہ روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے۔

یہاں تک تو بات بہت آسان سی تھی جس میں ہم نے دیکھا کہ اس کائنات میں مقیم کسی بھی مقام کے کسی ماضی کو اگر دیکھنا مقصود ہو تو ایک مخصوص فاصلے سے مشاہدہ کرنا ہوگا۔ یعنی اگر آج ہم زمین کو 15 سو نوری سال کے فاصلے پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو ہم آج سے 15 سو سال پہلے والی زمین کو دیکھ رہے ہوں گے اور 15 سو سال پہلے زمین پر گزرنے والے واقعات ہماری نظروں کے سامنے ہوں گے۔

یہی بات دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہی جا سکتی ہے کہ اس کائناتِ عریض و بسیط میں کہیں بھی رہ کر جب آپ اس کائنات کو مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں تو جو ستارہ یا سیارہ آپ سے 50 سال نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ اس کا 50 سال پہلے کا ماضی دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جو 1000 نور سال کے فاصلے پر ہے اس کا 1000 سال پرانا ماضی دیکھ

Marfat.com

رہے ہوتے ہیں اور جو جسم 10 لاکھ نوری سال کے فاصلے پر موجود ہے اس کا 10 لاکھ سال پیشتر کا ماضی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کائنات میں کسی مقام کے حال کا بصری مشاہدہ صرف اس کے قریب سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ دور دراز کے فاصلوں سے اس مقام کے مخصوص ماضی کو بھی دیکھا جا سکتا ہے حال کو نہیں۔ یہ تو ہوئی حال اور ماضی کی حقیقت مشاہدے کی رو سے تو آیئے اب کچھ اور آگے چلتے ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے دیکھا تھا کہ ہم کسی چیز کو کس طرح دیکھ رہے ہوتے ہیں یعنی جب اس سے ٹکرا کر روشنی کی شعاع ہماری آنکھ تک پہنچتی ہے تو اس کا عکس ہماری آنکھ میں بنتا ہے اور اس کا احساس ہمارے ذہن تک پہنچتا۔ ذیل میں دیے ہوئے خاکے کو دیکھیں جس میں جسم AO کے مقام پر موجود ہے:

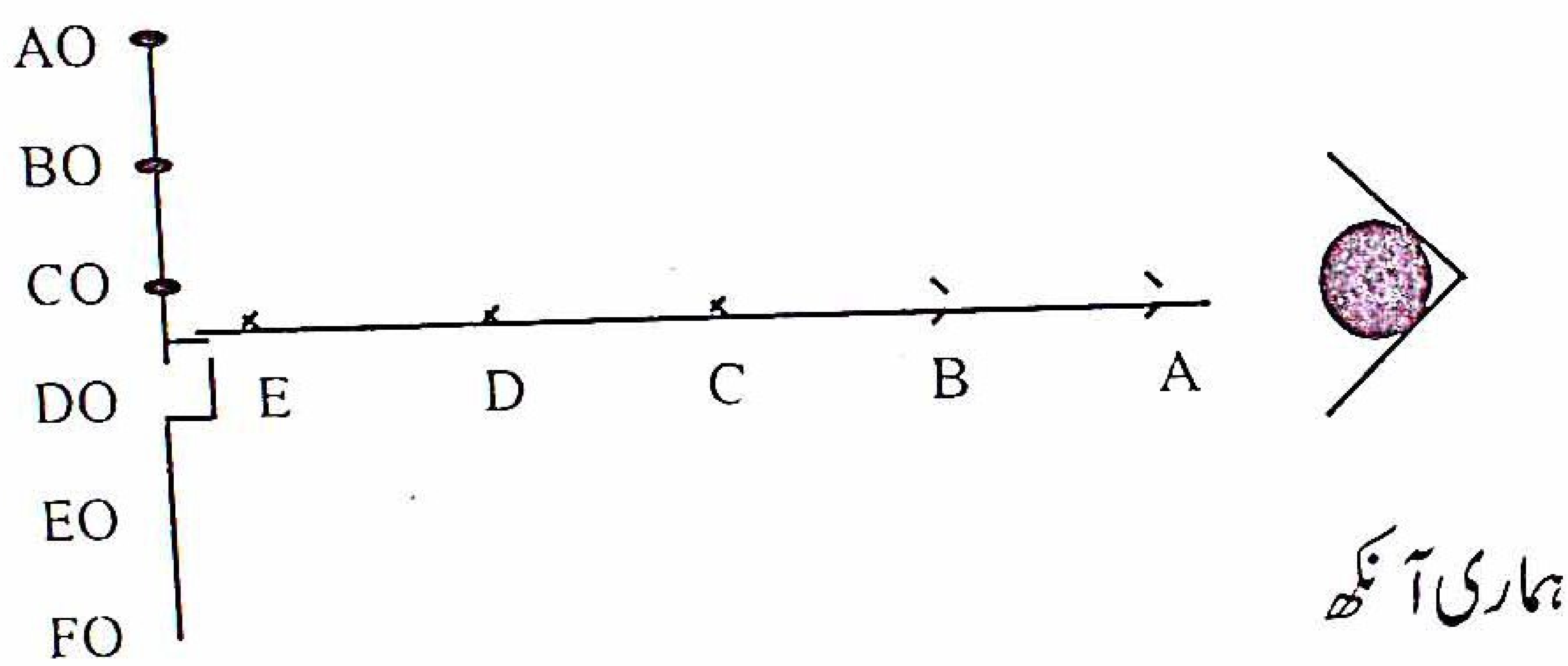

خاکہ

ایک سیکنڈ بعد جسم O مقام BO تک حرکت کر جاتا ہے۔ دو سیکنڈ بعد وہ مقام CO تک جا پہنچتا ہے اور تین سیکنڈ بعد وہ مقام DO پر ہوتا ہے اور چار سیکنڈ بعد وہ مقام EO پر جا پہنچتا ہے۔ یوں مقام A سے مقام E تک حرکت کرنے والے جسم سے ہر سیکنڈ پر

Marfat.com

خارج ہونے والی شعاعیں بتدریج E-D-C-B-A بھی ہماری آنکھ تک ایک ایک سیکنڈ بعد پہنچتی ہیں اور اپنا عکس دیتی ہیں یوں ہمیں یہ جسم بتدریج مقام A سے مقام E تک ہر سیکنڈ کے وقت میں حرکت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ واقعہ 4 سیکنڈ میں ہو رہا ہے اور ہم اسے 4 سیکنڈ ہی میں وقوع پذیر ہوتا ہوا دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ صورتِ حال اس صورت کی ہے جب مشاہدہ کرنے والی آنکھ اور واقعہ کے ہونے والے مقام کے درمیانی فاصلہ برقرار اور اس فاصلہ میں اس دوران کوئی خاص تبدیلی نہ آ رہی ہو۔ تصور کیجیے کہ جس وقت اس جسم کا سفر جاری ہو اسی درمیان دیکھنے والا شخص روشنی کی کسی قریب ترین رفتار سے جسم O کی طرف آ رہا ہو تو آپ خود کہیں گے کہ اس صورتِ حال میں شعاع D-C-B-A جو ایک ایک سیکنڈ بعد آنکھ تک پہنچ رہی تھیں اس صورت میں اس کے آنکھ تک پہنچنے کا ایک ایک سیکنڈ کا وقت بھی کم ہو جائے گا۔ شعاع A کے ایک سیکنڈ سے کم وقت میں شعاع B آنکھ تک پہنچ جائے گی اور شعاع ایک سیکنڈ سے کم وقت میں B کے بعد آنکھ تک پہنچ جائے گی۔ یوں کہ دیکھنے والی آنکھ جسم کی طرف بڑھ رہی ہے۔

یوں حالت سکون میں یہ شعاعیں ایک ایک سیکنڈ بعد آنکھ تک پہنچ رہی تھیں۔ اب تیز رفتاری کی کیفیت میں جب دیکھنے والا روشنی کی کسی قریب ترین رفتار سے واقعے کے مقام کی طرف آ رہا ہے۔ 4 سیکنڈ میں دیکھنے والے واقعے کو 4 سیکنڈ سے کم وقت میں وقوع پذیر ہوتا ہوا دیکھے گا یعنی واقعے کو Fast Motion میں دیکھے گا۔ جیسے ہم ٹیپ ریکارڈر پر کسی فلم کو Fast mode میں دیکھتے ہیں۔ اس کے برعکس تصور کیجیے کہ ناظر روشنی کی کسی قریب ترین رفتار سے واقعے سے دور ہوتا جا رہا ہو تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا یعنی ناظر اس ہونے والے واقعے کو Slow motion میں دیکھے گا۔ ان دونوں صورتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر ناظر روشنی ہی کی رفتار سے

Marfat.com

واقعے سے دور ہوتا ہوا جا رہا ہو تو وہ واقعہ ہوتے رہنے کے باوجود Still mode میں نظر آ رہا ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اگر ہم روشنی کی کسی قریب ترین رفتار حاصل کرنے پر قدرت رکھتے ہوں تو اپنی رفتار کے مختلف رُخ کو تبدیل کر کے کسی بھی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے عمل کو Fast motion یا Slow motion میں دیکھنے پر قادر ہو جائیں گے۔ اگر وقت کے گزرنے کے احساس کو کسی واقعے کے عمل پذیر ہونے کی رفتار کے تناظر میں دیکھا اور سمجھا جائے تو ہمیں وقت تیزی سے گزرتا یا آہستہ گزرتا ہوا محسوس ہو سکے گا۔

اب آیئے وقت کے اس جدید ترین اور انقلابی تصور اور حقیقت کی طرف چلتے ہیں جس نے ذہنوں میں موجود وقت کے متعلق مضبوط ترین تصورات اور عقائد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں لیکن اس نظریہ اور حقیقت کو سمجھ پانے کے لیے سب سے پہلے ہمیں اپنے ذہن میں صدیوں سے وقت سے متعلق راسخ خیالات کی نفی کرنی ہوگی اور ابتدا یہاں سے کرنی ہوگی کہ وقت غیر تغیر پذیر یا جامد نہیں بلکہ مختلف حالات میں سکڑتا اور پھیلتا ہے۔ یہ حقیقت آج سے 80 یا 90 سال پیشتر اُس وقت ہمارے سامنے آئی جب آئین سٹائین نے اپنا نظریہ اضافیت اس دنیا کے سامنے رکھا۔ یہ نظریہ علم طبیعات کا جدید ترین تحفہ ہے۔ یہ نظریہ فضا یعنی Space حرکت اور وقت میں قائم ایک رشتہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ آج جب ہم خلا میں نوع بہ نوع تجربات اور مشاہدات میں بڑی تندہی سے مصروف ہیں اور خلا سے اس کائناتِ عمیق و بسیط کا مطالعہ کر رہے ہیں اور تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر اس نظریہ کی تصدیق ہوتی جا رہی ہے۔ اس نظریہ کے نتائج بہت حیران کن اور دوررس ہیں۔

یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ اس کائنات میں کوئی شے بھی حالت سکون میں نہیں۔ زمین خود تیز رفتار سے گھوم رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ سورج کے گرد طواف بھی کر رہی

Marfat.com

ہے سو زمین پر موجود ہر شے بھی کائنات کے دیگر اجسام کی طرح مسلسل حرکت میں ہے۔

آئن سٹائن کے دیے ہوئے نظریۂ اضافیت سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور ایک حقیقت بن چکی ہے کہ جیسے جیسے رفتار میں اضافہ ہوتا ہے وقت سکڑتا ہے۔ ایک تیز رفتار شخص کا وقت کم رفتار پر سفر کرنے والے شخص سے کم ہوتا ہے۔ یعنی انتہائی تیز رفتار مسافر اور کم رفتار کے مسافر کا اپنا اپنا الگ الگ وقت ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ یوں اس کائنات میں موجود کوئی ناظر کائنات میں دور دراز پر موجود مقامات کو ان کے ماضی کے مختلف زمانوں میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ نیز دو جسموں کی رفتار میں بہت زیادہ فرق کی صورت میں ناظر دوسرے جسم پر وقوع پذیر کسی عمل کو Slow motion یا Fast motion میں ہوتا ہوا دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ان دو مختلف حالتوں میں ایک شخص کا صرف ایک گھنٹہ گزرا ہو تو دوسرا دس سال گزار چکا ہو۔

وقت میں موجود لچک جسم کی رفتار سے منسلک ہے۔ دو جڑواں بچے جو ایک ہی وقت میں پیدا ہوئے ہوں کائنات میں ایک بچہ کم رفتار کی حالت میں اور دوسرا انتہائی تیز رفتار روشنی کی کسی قریب ترین رفتار کا حامل ہو تو عین ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد جب دونوں بچے ملیں تو ایک کی عمر 10 سال ہو تو دوسرا ابھی دو سال کا ہی ہو۔

ہم آنے والے ہزار سالوں تک چند گھنٹوں میں پہنچ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم روشنی کی قریب ترین کسی رفتار پر سفر کرنے کی اہلیت کے حامل ہوں۔ ہم جیسے جیسے نور کی رفتار (تقریباً تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ) کے قریب پہنچتے جاتے ہیں ویسے ویسے وقت کا یہ خم بڑھتا جاتا ہے۔

زمین پر وقت کی یہ تغیر پذیر حالت کو محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ زمین پر ہماری تیز ترین رفتار بھی وقت کے اس خم کا احساس کرنے کے لیے ضروری رفتار کے مقابلے

میں بہت ہی کم ہوتی ہے۔ وقت کے اس واضح خم کا حصول کئی ہزار کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار پر قادر ہونے پر ہی ممکن ہے۔ فضا یعنی Space اور وقت کے درمیان موجود رشتے کو ہم دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں کو باہم تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

نظریۂ اضافت جسے آئین سٹائن نے آج سے تقریباً 90 سال پیشتر پیش کیا جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہم نے کیا اس کی رو سے کشش ثقل اور وقت میں بھی باہم تعلق ثابت ہوا جو رفتار اور وقت میں موجود ہے یعنی کششِ ثقل بھی وقت میں خم پیدا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ یعنی کشش ثقل کی زیادتی وقت کی رفتار کو کم کر دیتی ہے۔ کششِ ثقل جس مقام پر زیادہ ہوگی وہاں وقت اتنا ہی سست رفتار ہوگا زمین سے زیادہ بلندی پر گھڑیاں زمینی گھڑیوں کے مقابلہ میں سست چلیں گی۔ بعض سیاروں پر کششِ ثقل زمین کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے وہاں وقت سست رفتار ہوتا ہے۔ کچھ ایسے ستارے بھی کائنات میں موجود ہیں جہاں کششِ ثقل بے حد وحساب ہے اور کمیت بھی انتہا کو ہے اِن ستاروں پر روشنی کی شعاعوں کا خم بھی اتنا ہے کہ روشنی ان سے گزرنے کے بجائے ان میں دفن ہو جاتی ہے اور وقت بھی۔ چونکہ ان ستاروں سے ٹکرا کر روشنی واپس ہی نہیں آتی بلکہ ایک طرح سے ان میں دفن ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ستارے سیاہ حلقوں کی طرح نظر آتے ہیں جنہیں Black Hole کہا جاتا ہے۔ ان Black Holes میں وقت خاتمے کی حدوں کو چھو لیتا ہے۔ وقت کا خم Time Wrap میں مقید ہو جاتا ہے۔ بقول شخصے:

Black Hole ابدیت کے نزدیک ترین راستے کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں اس مادی کائنات کے تمام اصول ختم ہو جاتے ہیں۔ گویا یہاں مادہ عدم کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ صدیوں سے ذہنوں میں وقت سے متعلق راسخ تصور فی زمانہ

Marfat.com

بالکل ہی غلط ثابت ہو چکے۔ وقت کو جامد اور نا قابل تغیر چیز نہیں بلکہ یہ مختلف رفتار اور قوتِ ثقل کی بنا پر تغیر پذیر ہے سکڑتا اور پھیلتا ہے اور ختم بھی ہو جاتا ہے جس طرح سے (Space) فضا سکڑتی اور پھیلتی ہے۔

وقت کسی آن کسی جانب اس طرح پھیل اور سکڑ سکتا ہے جس طرح سے فضا کسی خاص مقام سے پھیلتی یا سکڑتی ہے۔ دو مختلف مقامات پر ہونے والے دو واقعات ایک دیکھنے والے کے لیے بیک وقت جبکہ دوسرے کے لیے دو الگ وقت میں وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔

ماضی، حال اور مستقبل بظاہر ایک حقیقت محسوس ہوتے ہیں مگر خارجی دنیا میں جب ان کا مطالعہ کیا جائے تو مبہم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایک فرانسیسی طبیعات دان لا پلا نے بہت عجیب مگر بڑے پتے کی بات کی۔ بقول اس کے جو واقعہ بھی اس کائنات میں ہو گزرا ہے یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے۔ وہ ابتدائے آفرینش ہی سے نا قابل تغیر اور مقدر ہے۔ ہمیں مستقبل کتنا ہی غیر یقینی نظر آتا ہو لیکن اس کی باریک سے باریک تفصیل پہلے سے متعین و مقدر شدہ ہے۔ بقول اس طبیعات دان لا پلا کے اس کائنات کا ہر ذرہ پہلے سے طے شدہ ایک معمول کا پابند ہے۔ وقت کو سلیقے سے بدلا اور برتا جا سکتا ہے۔

ہم یہاں اس حقیقت تک تو پہنچ گئے کہ وقت جسے گزشتہ زمانہ دراز سے غیر تغیر پذیر (Constant) سے سمجھا جاتا رہا آج وہ مکان یا Space کی ہی طرح سے تغیر پذیر ہے جس طرح ہم اپنے فاصلوں کو کم یا زیادہ کر لیتے ہیں اسی طرح مخصوص حالتوں میں وقت کو بھی گھٹایا یا بڑھایا جا سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وقت کی اس تغیر پذیر کیفیت تک کیا انسان کی رسائی ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ

Marfat.com

كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَo (سجدہ۵)

''وہی آسمان سے زمین تک (کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ پھر وہ ایک روز جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگی۔ اُس کی طرف صعود (اور رجوع) کرے گا۔''

ہم دیکھ چکے ہیں کہ وقت کی یہ تغیر پذیری انتہائی تیز رفتار (ہزاروں میل فی سیکنڈ یعنی روشنی کی رفتار کے نزدیک کی رفتار) کی صورت ہی میں ممکن ہے لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس مادی وجود کی قید میں رہتے ہوئے ان مخصوص درکار حالتوں تک رسائی سر دست تو ناممکن ہے۔ کیوں کہ شدید قوتِ ثقل کی تبدیلی کے زیر اثر زندہ رہنا ممکن نہیں اور اس مادی جسم کی قید میں رہتے ہوئے درکار تیز رفتار کا حصول ممکن نہیں کیوں کہ ایک حد رفتار تک پہنچنے کے بعد قوتِ رفتار میں اضافہ کرنے کے بجائے کمیت میں اضافہ کی موجب بن جاتی ہے۔ یہ کسی بھی مادی وجود کے لیے رفتار کی آخری حد ہے۔

اپنی اس عاجزی کو ایک مثال سے یوں سمجھ لیں کہ ہم وقت کی ٹرین کے ایک ڈبے میں جو کہ ہمارا مادی جسم ہے۔ سفر کر رہے ہیں، جس کی رفتار تو کم یا زیادہ کی جاسکتی ہے مگر مادی جسم کے ڈبے کی قید میں رہتے ہوئے ہم اس پر قادر نہیں ہمارے لیے وقت کی ٹرین کی رفتار مستقل Constant ہے۔ باہر کی اس دنیا کا مشاہدہ ہمارے لیے اس کھڑکی کی حد تک محدود ہے جو اس ڈبے میں ہے۔ ہم بس وہی کچھ دیکھ سکتے اور مشاہدہ کر سکتے ہیں جو اس کھڑکی کے سامنے نظر آ رہا ہو۔ کھڑکی کے سامنے آنے والا بجلی کا پول جو ہمیں نظر آ رہا ہے وہ ہمارا حال ہے اور جو پول گزر چکا ہے جسے ہم نہیں دیکھ رہے ہیں یا ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے وہ ہمارا ماضی ہے اور جو پول ابھی آنے والا ہے اور ہماری نظروں سے اوجھل ہے وہ ہمارا مستقبل ہے۔ یہ مخصوص کیفیت ہماری اس مادی جسم کے

Marfat.com

ڈبے میں قید ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر اس مادی جسم کے ڈبے کی قید سے نکل کر ہم کھڑکی سے باہر سر نکال کر دیکھیں تو جو پول کھڑکی کے سامنے ہے اس کو بھی دیکھ رہے ہوں گے اور جو گزر چکا ہے وہ بھی ہماری نظروں میں ہوگا اور جو پول ابھی سامنے آنے والا ہوگا اسے بھی ہم دیکھ رہے ہوں گے۔ صرف شرط یہ ہے کہ ہم اپنے اس مادی وجود کی قید سے کسی طور باہر نکل کر نظارہ کر سکنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

Marfat.com

آخرش سراب

مغربی سوچ رکھنے والے ہمارے وہ دوست جو صرف سائنس کو ہی اپنے لیے چراغ اور رہنما سمجھتے ہیں اور جس سائنسی روشنی میں وہ بڑے طمطراق سے دوڑے چلے جا رہے ہیں اور اس سفر کی ترقی کو اپنا سب کچھ سمجھ رہے ہیں۔ دنیا ان کی اس مادی ترقی اور مادی کائنات میں تیز تر سفر کو بڑے رشک سے دیکھ رہی ہے۔ ان حضرات کی اسی سائنس کے جدید تصورات اور انکشافات نے ان کی مادی کائنات کی حقیقت اور وجود کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ وقت جسے ایک مستقل (Constant) حقیقت سمجھا جا رہا تھا تغیر پذیر نکلا اور اس کی اس تغیر پذیری نے کائنات میں ہونے والے واقعات کے ماضی حال اور مستقبل کو بے یقین و بے اعتبار ثابت کر دیا ہے۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ آئین سٹائن کی Time & Space تھیوری نے دو الگ الگ ناظر جو کائنات میں الگ الگ رفتار کی حالتوں میں ہوں وقوع پذیر ہونے والے دو واقعات کے درمیان کے وقفہ کو اپنے میں الگ الگ پائیں گے یا اسی تھیوری کی رو سے دو جڑواں بچے پیدا ہونے کے بعد اس مادی کائنات میں رفتار کی الگ الگ حالتوں میں رہ کر کچھ وقت کے بعد جب ملیں گے تو عین ممکن ہے کہ ایک کی عمر تین سال ہو تو دوسرے کی 15 سال ہو۔ یہ تو رہی اس مادی کائنات کی بات۔ اب ذرا اپنے اس مادی وجود کی بھی کچھ بات ہو جائے۔ ہمارا یہ مادی وجود جسامت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو زمین کی جسامت

Marfat.com

کے تناظر میں ایک ذرہ کے برابر ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہماری یہ زمین نظامِ شمسی میں ایک ذرہ کے برابر ہی تو ہے اور ہمارا نظامِ شمسی اپنی کہکشاں میں تو ذرہ برابر بھی نہیں کہا جا سکتا اور ہماری کہکشاں کروڑوں کہکشاؤں میں سے ایک ہے۔ اب فیصلہ کریں کہ جسامت کے اعتبار سے ہمارا یہ مادی وجود ہے کسی شمار میں۔

وقفۂ حیات کے اعتبار سے ہماری مادی زندگی اس مادی کائنات میں زیادہ سے زیادہ 90-80 سال ہے اور اس مادی کائنات کو تخلیق ہوئے آج 2 ارب سال تو گزر چکے ہیں۔ یوں اگر آج کی ہی حالت میں حساب لگایا جائے تو ہماری مادی زندگی کو اگر 100 سال بھی مان لیا جائے۔

اس کائنات کی زندگی کا 100

2000000000

1

20000000واں

حصہ تقریباً صفر ہی ہے۔ اگر اس مادی زندگی اور وجود کو ہی سب کچھ سمجھا جائے تو انسان کی ہستی ہے ہی کیا صفر الصفر کے سوا اور کچھ بھی تو نہیں۔

یہ کائنات عین ممکن کہ جمادات، نباتات اور دیگر حیوانات کے لیے سب کچھ ہو مگر انسان کے لیے یہ سب کچھ نہیں۔ بلکہ فی نفسہ کچھ بھی نہیں لیکن ایک دوراہے کی حیثیت ضرور رکھتی ہے۔ جہاں سے انسان کی آئندہ زندگی کے دو بالکل مختلف راستے نکلتے ہیں۔ ایک راستہ ابدی راحت و انبساط کی حامل زندگی کی جانب تو دوسرا انتہائی تکلیف دہ زندگی کی جانب لے جاتا ہے۔ یوں یہ مادی زندگی قلیل ہوتے ہوئے بھی اہم ہو جاتی ہے۔ اسی دوراہے پر ہمیں اپنی آنے والی طویل اُخروی زندگی کے ان دو راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب خود کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں ایک ایک قدم پھونک کر اور سنبھال سنبھال کر رکھنا ہے۔

Marfat.com

امکانات

اس مادی کائنات کا کلی طور پر ادراک کرنا ہمارے لیے محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ہمیں اس مادی جہان میں بڑی محدودیت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ کائنات کا وہ حصہ جو اس مادی زندگی میں انسان کی سوچ، سمجھ اور ادراک کے دائرے میں آتا ہے اسے اگر اس کائنات کی جامعیت اور کلیت کے تقابل میں رکھا جائے تو انسانی سوچ، سمجھ اور ادراک کا حصہ تقریباً صفر کے قریب ہی ہو گا۔

یوں سمجھیں کہ کسی اُڑتے ہوئے جمبو جیٹ طیارے میں اگر کہیں سے کوئی چیونٹی پہنچ جائے اور یہ سوچنا شروع کر دے کہ اس طیارے میں کتنے پرزے لگے ہیں اور وہ کیا کیا کام کر رہے ہیں۔ یہ طیارہ اس بلندی پر ہوا میں کیسے اُڑ رہا ہے۔ اس کے پائلٹ کی ذہنی استعداد کیا ہے۔ کراچی سے لندن تک کی اُڑان میں نیچے جو جنگل گزر رہے ہیں ان میں کتنے درخت ہیں اور ان تمام درختوں میں کتنی شاخیں ہیں اور ان شاخوں پر کتنے پتے ہیں اور ان پتوں میں کون کون سے کیمیائی اجزاء ہیں۔ نیچے جو شہر گزر رہے ہیں ان میں کتنے آباد ہیں کس قسم کے لوگ آباد ہیں۔ یہ طیارہ جس لندن نامی شہر کو جا رہا ہے وہ کتنا بڑا، اس میں کتنے اور کیسے کیسے لوگ رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا خیال ہے آپ کا یہ سب کچھ طیارے میں موجود چیونٹی کا ذہن سوچ سکتا ہے۔ قطعی نہیں، بالکل یہی حال انسان کا اس کائنات کے متعلق ہے۔ اس وسیع اور عریض کائنات کا کلی طور پر علم تو کیا اس کے عشر

عشیر تک رسائی بھی حضرت انسان کی دسترس سے باہر ہے۔
اب تک تو تعارف ہوا اور باتیں ہوئیں آب و گِل کی اس مادی کائنات کی جس میں ایک وجود کی حیثیت سے ہم تمام انسان تمام جاندار زمین سیارے، ستارے اور کہکشائیں وغیرہ سب اپنا اپنا عرصۂ حیات گزار رہے ہیں۔ اس مادی کائنات میں ہم جانتے ہیں کہ جتنے بھی وجود ہیں سب تین بعد یا تین Dimensions پر محیط ہیں اور وہ انہیں تین Dimensions کے احاطے میں نظر آتے ہیں۔ ہم سب یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اور بھی مخلوقات ہیں لیکن وہ اپنا ایک وجود رکھنے کے باوجود ہماری اس Three Dimensional کائنات کے احاطے میں نہیں آتیں اور نہ ہی انہیں ان تین Dimensions کی پنہائیوں میں دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی مقید کیا جا سکتا ہے۔
ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ہم شکمِ مادر میں آنے سے پہلے روحانی طور پر زندہ تھے۔ یقیناً روحانی وجود میں ہوں گے جو اس مادی کائنات کی حدوں سے ماورا ہوگا۔ اسی طرح دیگر مخلوقات بھی ہیں جو اس مادی کائنات سے ماورا کسی اور Dimension پر محیط کائناتوں میں موجود ہیں۔ یوں اس مادی کائنات سے ماورا دیگر مختلف کائناتوں کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی اس مادی کائنات ہی کو سب کچھ نہیں سمجھنا چاہیے۔
کائناتِ کل جس میں جملہ دیگر کائنات موجود ہیں ہماری یہ مادی کائنات اس کے ایک Cross Section کی حیثیت رکھتی ہے۔ اہلِ عرفان و تصوف و اہلِ فکر سب اس کائناتِ کل کے وجود کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ کسی نے اسے دنیائے اثیر، کسی نے کاسمک ورلڈ تو کسی نے عالمِ مثال سے موسوم کیا ہے۔
مختلف Dimensions پر محیط مختلف کائناتوں کے تصور کو سمجھنے کے لیے اور اس

Marfat.com

موضوع پر آگے چلنے کے لیے مجھے آپ کو سوچ کی ایک خاص جہت اور بلندی پر لانا ہوگا۔ اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ کچھ مختلف کائناتیں تو تخلیق کریں تو آپ یہ کام کس بنیاد پر کریں گے۔ ظاہر ہے کہ آپ کے پاس اشیاء اور ان کے اجسام کی شکل و صورت کو سمجھنے کا جو علم ہے جسے جامیٹری کہتے ہیں اسی کا سہارا لیں گے۔ جامیٹری Dimensions (بُعد) پر Base کرتی ہے۔ لہٰذا آپ جو پہلی کائنات تخلیق کرنا چاہیں گے وہ One dimensional ہوگی۔ جس میں صرف ایک ہی بعد، جہت یا Dimension ہوگا۔ یہ کائنات کیسی ہوگی اس کا پھیلاؤ (جو کہ ایک رخ ایک جہت میں ہوگا کیسا اور کہاں تک ہوگا اسے سمجھنے کے لیے کسی اندھیرے کمرے میں روشنی کی ایک کرن کا تصور کرلیں۔ یہ کائنات ایک لائن پر محیط ہوگی جس میں صرف لمبائی ہی لمبائی ہوگی۔ چوڑائی یا موٹائی کا کوئی وجود نہ ہوگا۔ اس کائنات میں جتنی اشیاء بھی ہوں گی ان سب کی شکلیں چھوٹی بڑی لائنوں کی صورت میں ہوں گی یعنی ان کی شکل اس کائنات میں وہی ہوگی جتنا کچھ حصہ انہوں نے اپنی کائنات کا گھیرا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ گھیرا ہوا حصہ بھی ایک لائن کا ہی کوئی حصہ ہوگا۔ یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں جو اشیاء جس کائنات کی ہوتی ہیں وہ صرف اپنی ہی کائنات کی وسعت میں چلنے پھرنے اور سوچنے پر قادر ہوتی ہیں۔ کسی دوسری جہت یا بُعد (Dimension) میں حرکت کرنا تو درکنار ان کے لیے سوچنا بھی محال ہوتا ہے۔ چونکہ یہ پہلی کائنات One Dimensional ہے۔ یوں اس میں موجود تمام اشیاء بھی صرف اپنے Dimension میں حرکت کرنے پر قادر ہوں گی۔ ان کے لیے کسی دوسری جہت یا Dimension میں سوچنا بھی ممکن نہ ہوگا۔

دیکھئے شکل نمبر 1

Marfat.com

شکل نمبر 1

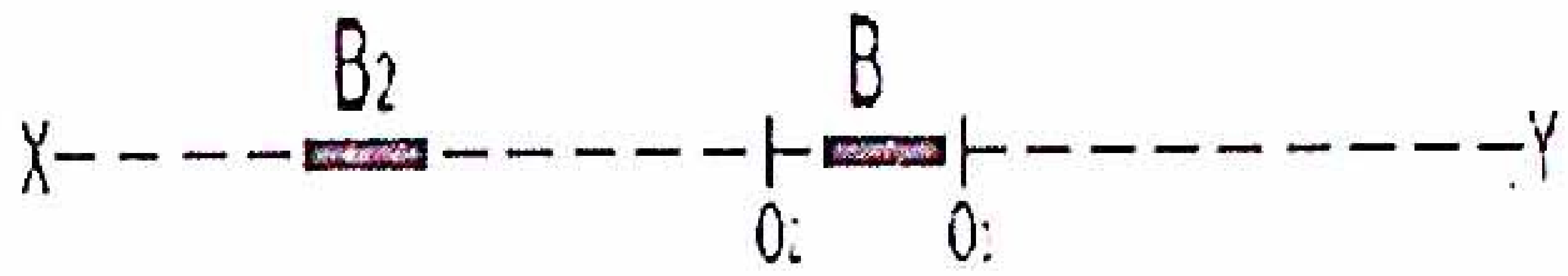

مندرجہ بالا اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم شکل نمبر 1 کو سامنے رکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ

1- شکل نمبر 1 میں ظاہر کردہ لائن xy پر ایک جہتی کائنات محیط ہے جس میں دو جسم B1 اور B2 ہیں جن کی شکلیں بھی ایک لائن کی صورت ہی میں ہیں (کیونکہ انہوں نے یہی حصہ اس یکجہتی کائنات کا گھیرا ہوا ہے) یہ دونوں جسم صرف xy جہت ہی میں حرکت کرنے اور سوچنے پر قادر ہوں گے۔

2- چونکہ یک جہتی کائنات xy میں موجود تمام اشیاء صرف xy جہت ہی میں حرکت کرسکتی ہیں اس لیے اگر جسم B1 اپنا بند کمرہ بنانا چاہے تو وہ صرف نقطہ O1 اور نقطہ O2 پر ایک دیوار کھڑی کرلے گا۔ یوں O1-O2 جسم B1 کے لیے بند کمرہ ہوگا۔ اس کائنات کا کوئی بھی جسم جب تک O2 پر قائم دیوار کو توڑے گا نہیں وہ جسم B1 تک نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ تو ہوئی مختصر سی یک جہتی (World One dimensional) کی بات۔

دوسری کائنات جو آپ تخلیق کرنا چاہیں گے وہ دو جہتی یعنی Two Dimensional ہوگی یعنی اس میں دو جہتیں Dimension ہوں گے۔ اس کائنات

کو تصور میں لانے کے لیے ایک Plane کا تصور کیجیے Plane میں صرف دو جہتیں ہوتی ہیں۔ یعنی لمبائی اور چوڑائی اس کائنات میں جو ایک Plane پر محیط ہوگی تمام اشیاء جو اس کائنات کی ہوں گی وہ صرف دو جہتیں Dimension یعنی لمبائی اور چوڑائی رکھنی ہوں گی۔ ان میں موٹائی کا کوئی وجود نہ ہوگا۔ یہ اشیاء صرف اپنی کائنات کی دو جہتوں میں چلنے پھرنے اور سوچنے پر قادر ہوں گی۔ کسی تیسری جہت، بُعد Dimension میں سوچنا بھی ان کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ (دیکھئے شکل نمبر 2) اس کائنات کو سمجھنے کے لیے آپ سایوں کی دنیا کی مثال لے سکتے ہیں۔(Shadow world) تمام سائے گو کہ مختلف شکلیں تو رکھتے ہیں لیکن ان میں صرف دو جہتیں لمبان اور چوڑان ہی ہوتی ہیں اور وہ ایک ہی سطح (Plane) میں حرکت کرتے ہیں۔

شکل نمبر 2

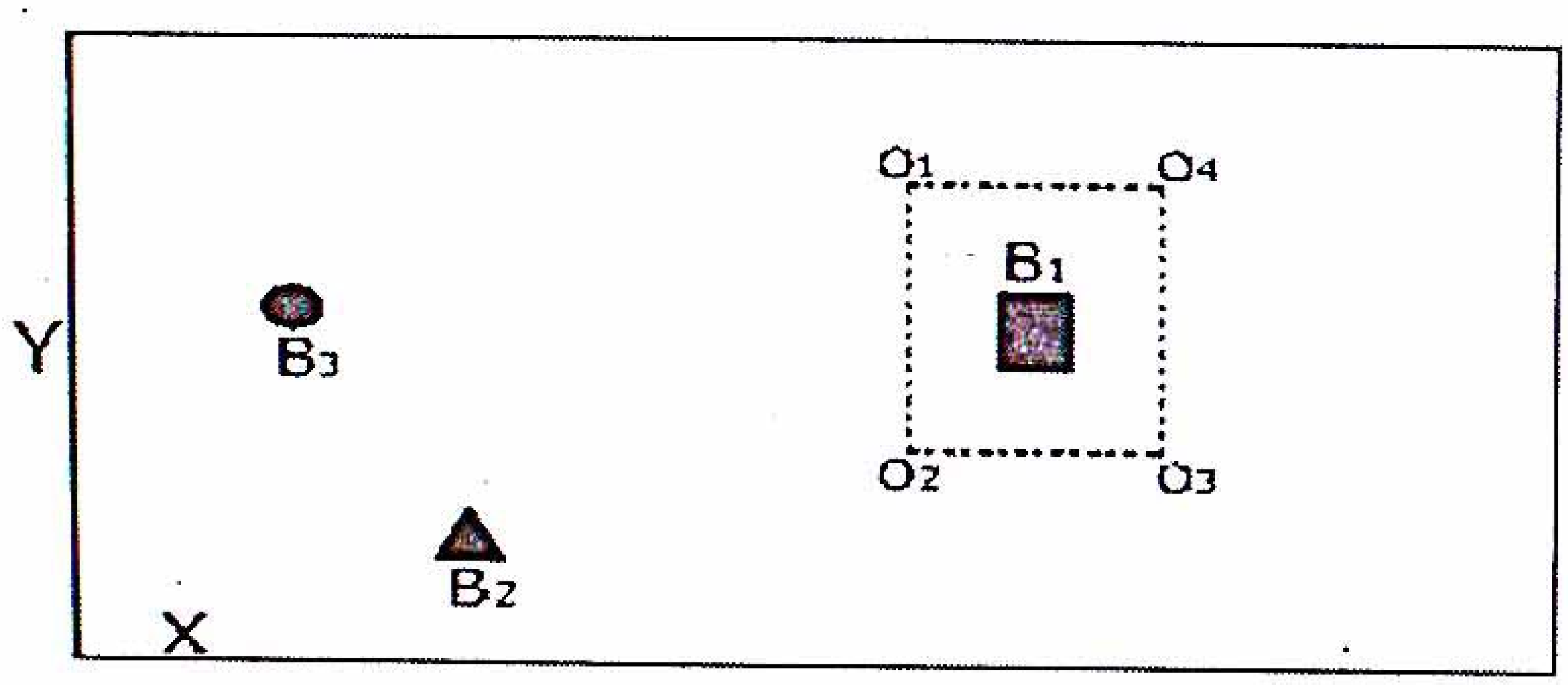

1- شکل نمبر 2 میں ظاہر کردہ Two dimensional world میں صرف دو جہتیں x اور y ہیں۔ یہ کائنات ایک Plane کی وسعت پر محیط ہے۔ اس میں تین جسم B2,B1 اور B3 ہیں۔ ان تینوں جسموں کی گو کہ شکلیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ان میں صرف دو Dimension یعنی جہتیں لمبائی اور چوڑائی ہیں،

موٹائی کا کوئی وجود ان میں نہیں یہ تینوں جسم صرف اپنی کائنات جو ایک Plane پر محیط ہے اسی میں حرکت کرنے پر قادر ہوں گی۔

2- اگر جسم B1 اپنا بند کمرہ بنانا چاہے تو وہ صرف دو جہتوں میں نقطہ O3,O2,O1 اور O4 پر (شکل نمبر 2 میں ظاہر کردہ) دیوار اُٹھا لے یوں O3,O2,O1 اور O4 پر کھینچی گئی دیوار سے اس کے لیے بند کمرہ بن جائے گا۔ اس کائنات کا کوئی بھی جسم جب تک O3,O2,O1 اور O4 پر قائم شدہ دیواروں کو نہیں توڑے گا جسم B1 تک نہیں پہنچ سکے گا۔ کیونکہ اس کائنات میں موجود تمام جسم صرف دو جہتوں میں ہی حرکت کرنے اور سوچنے پر قادر ہیں۔

تیسری کائنات، سہ بعدی، تین جہتی یا Three Dimensional ہوگی۔ اس میں تین Dimensions یا تین جہتیں ہوں گی جو کہ لمبائی، چوڑائی اور موٹائی پر محیط ہوں گی۔ اس کائنات میں موجود تمام اشیاء انہیں تین جہتوں پر محیط جسم رکھتی ہوں گی اور صرف انہیں تین Dimensions میں چلنے پھرنے اور سوچنے پر قادر ہوں گی کسی چوتھے Dimension میں ان کے لیے حرکت کرنا یا سوچنا اس طرح ناممکن ہوگا جیسے یک جہتی کائنات کے کسی جسم کے لیے دوسرے Dimension میں یا دو جہتی کائنات کے کسی جسم کے لیے تیسرے Dimension میں اس Three Dimensional World (سہ جہتی) کائنات کی مثال ہماری اپنی یہ مادی کائنات ہے اور ہم سب جو کچھ اس میں موجود ہے سب Three Dimensional Bodies ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم سب بھی صرف انہیں تین Dimensions میں چلتے پھرتے اور سوچتے ہیں اور کسی چوتھے Dimension میں رسائی ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہم بھی جب اپنا بند کمرہ بنانا

Marfat.com

چاہتے ہیں تو انہیں تین جہتوں لمبان، چوڑان اور موٹان میں اپنا Protection دیوار بنا لیتے ہیں۔ ہماری کائنات کی کوئی شے جب تک ہماری دیواروں کو نہیں توڑے گی ہم تک نہیں پہنچ سکتی۔ اُمید ہے کہ مندرجہ بالا تین کائناتوں کی مثالوں سے اب آپ اپنے تصور میں تینوں کا صحیح ادراک کر سکے ہوں گے۔

علیٰ ھذا القیاس چوتھی کائنات آپ وہ تخلیق کرنا چاہیں گے جس میں چار جہتیں یا چار Dimensions ہوں گے اور پانچویں وہ جس میں پانچ اس طرح آپ بڑھتے چلے جائیں گے۔ مندرجہ بالا سطور میں سمجھائی گئی باتوں کو اگر آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تو آئندہ آنے والی باتیں جو کہ تصوراتی نہیں بلکہ ٹھوس حقیقتوں پر مبنی ہیں انہیں بھی سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا اور آپ از خود مندرجہ ذیل نتائج تک پہنچ جائیں گے۔

1- کوئی بھی جسم جس کائنات میں ہو اور جن Dimensions پر اسے تخلیق کیا گیا ہوتا ہے وہ جسم صرف اور صرف اسی کائنات میں چلنے پھرنے، حرکت کرنے اور سوچنے پر قادر ہوتا ہے۔ کسی دوسرے Dimension میں جانا، حرکت کرنا تو درکنار کسی اضافی Dimension کو وہم و گمان میں لانا بھی اس کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔

2- کسی بھی کائنات کا کوئی جسم اپنی کائنات میں موجود کسی بند کمرے کی دیواروں کو بغیر توڑے اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جن ڈائمینشن میں وہ چلنے پھرنے پر قدرت رکھتا ہے ان ڈائمینشن میں دیواریں حائل ہوتی ہیں۔ ہاں کسی اور مختلف Dimensional world کا کوئی جسم جس کے پاس کوئی اضافی ڈائمینشن ہو وہ ضرور

Marfat.com

اس کے بند کمرے میں بغیر دیواروں کو توڑے داخل ہو جائے گا۔
مثال کے طور پر شکل نمبر 3 میں یک جہتی کائنات کے بند کمرے O1,O2 میں دو جہتی کائنات کا کوئی جسم اپنے دوسرے اضافی ڈائمینشن کی جانب سے بغیر دیواروں کو توڑے داخل ہو جائے گا۔ کیوں کہ وہ دوسرے اضافی ڈائمینشن میں بھی چلنے پھرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

دیکھئے شکل نمبر 3

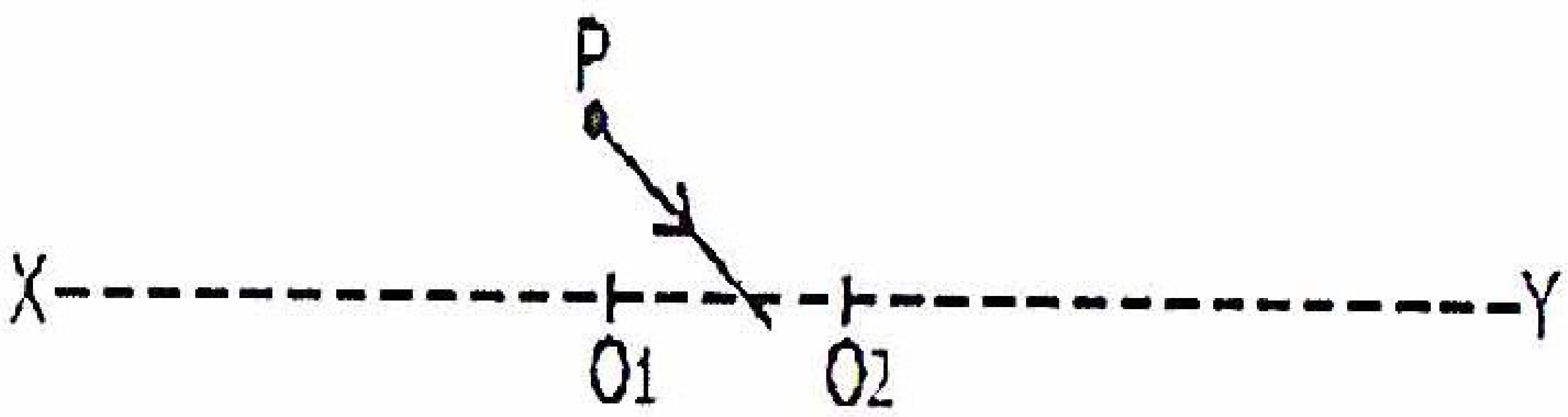

3- شکل نمبر 3 میں جسم P اپنے اضافی ڈائمینشن سے یک جہتی کائنات xy میں موجود بند کمرے O1,O2 کی دیوار توڑے بغیر داخل ہو رہا ہے کیوں کہ وہ اضافی جہت Dimension میں بھی چلنے پھرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

4- One Dimensional World یک جہتی کائنات xy میں جسم کی شکل وہ ہی ظاہر ہوگی جتنا اس جسم P نے کائنات xy کا حصہ گھیرا ہوا ہوگا۔

5- اگر جسم P یک جہتی کائنات میں اپنے اضافی ڈائمینشن سے مختلف زاویوں سے داخل ہو جس کی اسے قدرت حاصل ہے تو وہ اپنی

Marfat.com

شکلیں بھی بدل سکے گا۔ کیوں کہ مختلف زاویوں سے جسم P کا یکجہتی
کائنات میں (Cross Section) مختلف ہوگا یعنی کوئی بھی جسم
جس کے پاس کوئی اضافی ڈائمینشن ہو وہ اس میں حرکت کرتے
ہوئے کم ڈائمینشن رکھنے والی کسی کائنات میں اس کے بند کمرے
کی دیواروں کو توڑے بغیر نہ صرف داخل ہوسکتا ہے بلکہ وہاں وہ
اپنی شکلیں بھی تبدیل کرسکتا ہے۔

ہماری کائنات آپ جانتے ہیں تین جہتی (Three Dimensional) ہے۔ کوئی جسم جس کے پاس چارڈائمینشن ہوں وہ اپنے اس چوتھے اضافی ڈائمینشن کی جہت سے ہمارے بند کمرے میں بغیر دیواروں کو توڑے (یا دروازہ کھولے) داخل ہوسکتا ہے اور اگر چاہے تو اپنی شکلیں بھی تبدیل کرسکتا ہے۔

اور اگر عموداً داخل ہو تو وہ ہمارے کمرے میں موجود ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس کا ہماری سہ جہتی کائنات میں کوئی (Cross Section) ہی نہ ہوگا۔ کیوں کہ کسی بھی Line کا عمودی Cross Section صفر ہوتا ہے۔

ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری یہ مادی کائنات Three Dimensional ہے اور ہم جو جسم رکھتے ہیں وہ بھی ظاہر ہے Three Dimensional ہے اور ہم اپنی اس محدودیت کے ساتھ جو کہ انہیں تین Dimensions پر محیط ہے چلنے پھرنے اور سوچنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ کسی چوتھے ڈائمینشن کو سوچنا بھی ہمارے لیے محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہمارے علاوہ مخلوقات میں ایسی مخلوقات بھی ہوسکتی ہیں جو ہمارے تین Dimensions کے علاوہ بھی کوئی اضافی ڈائمینشن رکھتی ہوں۔ ان کے لیے ہمارے بند کمروں میں دیواریں توڑے بغیر (یا دروازہ

کھولے بغیر داخل ہو جانا، شکلیں تبدیل کرنا اور ہماری نظروں سے اوجھل رہنا ایک عام سی بات ہوگی۔ اس طرح بہت سے مختلف Dimensions پر محیط بہت سی کائناتوں اور ان میں موجود مخلوقات کی موجودگی کے امکان کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں۔ ان کائناتوں کی تعداد واقعتاً کتنی ہے نیز وہ کن کن Dimensions پر محیط ہیں اسکا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے دو اہم نتیجے سامنے آتے ہیں۔

1- ہم نے دیکھا کہ جو کام یکجہتی کائنات کے جسم کے لیے ممکن نہ تھا (بند کمرے میں دیواریں توڑے بغیر اندر داخل ہونا شکلیں تبدیل کرنا یا موجود ہوتے ہوئے نظر نہ آنا) وہ کام دوجہتی کائنات کے جسم کے لیے ممکن ہو گیا۔ جو کام دوجہتی کائنات کے جسم کے لیے ناممکن تھا وہ سہ جہتی کائنات کے جسم کے لیے ممکن ہو گیا اور جو کام سہ جہتی کائنات کے جسم کے لیے ممکن نہ تھا وہ چہار جہتی کائنات کے جسم کے لیے ممکن ہو گیا۔ یعنی جیسے جیسے Dimensions بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ناممکنات ممکن ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ریاضی کے ہندسے سے تو آپ واقف ہوں گے جو کہ ہندسوں میں انتہائی ہندسہ ہے۔ جو ذات Infinite Dimensions پر قدرت رکھتی ہوگی اس کے لیے ناممکن نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ وہ ہر چیز پر قادر ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس Three dimensional مادی کائنات میں ایک Three Dimensional جسم دے کر پیدا کیا ہے تا کہ ہم اپنی اس مادی کائنات میں

چل پھر سکیں اور اپنے کام سرانجام دے سکیں جس طرح دریا میں چلنے پھرنے کے لیے کشتی میں سوار ہونا ہوتا ہے۔ اسی طرح اس Three Dimensional کائنات میں چلنے پھرنے اور اپنے کام انجام دینے کے لیے ہم Three Dimensional جسم میں سوار ہیں اگر کبھی ہمارے یہ تین ڈائمینشن تبدیل ہوں تو پھر یقیناً ہمیں اس T.D جسم کی ضرورت نہ ہوگی اور ہم اسی طرح اسے اس دنیا کو چھوڑ کر کسی اور کائنات میں نکل جائیں گے جس طرح دریا سے نکلنے والا جس کشتی میں وہ سوار تھا اسے دریا ہی میں چھوڑ کر نکل جاتا ہے۔ جسے حادثہ موت کہتے ہیں عین ممکن ہے کہ وہ ہمارے ڈائمینشن کی ہی تبدیلی ہو۔

Marfat.com

محدود سوچ

کہیں سنا تھا یا پڑھا تھا کہ جب انسان شکمِ مادر میں ہوتا ہے تو اسی کو اپنی کل کائنات سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اس کے آگے کیا بات تھی وہ یاد نہیں۔ تو چلیے اپنی گفتگو کا آغاز یہیں سے کیا جائے۔

یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ یہاں یعنی شکمِ مادر میں (جو اس وقت وہی اس کی کل کائنات ہوتی ہے) وہ اپنی مرضی، اپنی منشا یا اپنے اختیار سے نہیں آیا ہوتا بلکہ یہاں وہ اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی اور حکم سے آیا ہوتا ہے جس پر انسان کو قطعی کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس کا پیدا کرنے والا جس شکم میں اور جب اسے لانا چاہتا ہے اسے اسی شکم میں اور اسی وقت اسے وہاں لاتا ہے۔ دوئم یہ کہ وہاں کی زندگی میں اُس کی حیات اور نشو و نما کے تمام تقاضے بھی مرضی، الٰہی کے ہی مطابق پورے ہوتے رہتے ہیں جن پر انسان کا کوئی بس نہیں ہوتا۔ شکمِ مادر میں انسان کی ذہنی استعداد بھی اتنی محدود ہوتی ہے کہ وہ اس سے باہر موجود کسی کائنات کا تصور تو کیا گمان بھی کر سکے۔ گو کہ وہ کائنات جو آئندہ اس کے حصے میں آنے والی ہے ایک حقیقت ہوتی ہے۔ مگر اپنی اس پہلی کائنات یعنی شکمِ مادر میں رہتے ہوئے اس کا ذہن اس نئی کائنات کا جو اس کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے کوئی ادراک بھی نہیں کر سکتا۔ ادراک تو کجا اس کا ذہن اس کا تصوراتی ہی سہی کوئی خاکہ اپنے وہم و گمان میں نہیں لا سکتا۔ اس مرحلے میں ذہن انسانی اپنی ساخت اور نشو و نما

کے ابتدائی مرحلے میں ہوتا ہے۔ نہ ہی وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس وقت مقررہ سے پہلے جو اس کے پیدا کرنے والے نے اس کے لیے طے کیا ہے وہ دوسری کائنات میں اپنی مرضی سے داخل ہو سکے۔ ان تمام معاملات کا تعین بھی اس کا پیدا کرنے والا ہی کرتا ہے اور وہ اس وقتِ مقررہ میں اسے اس قابل اور اہل بنا دیتا ہے کہ وہ آنے والی دوسری کائنات کی زندگی کو اختیار کر سکے۔

اپنی اس پہلی کائنات میں انسان روحانی طور پر تو بقیدِ حیات ہوتا ہے مگر جسمانی اور ذہنی طور پر اس کی حالت اتنی ترقی پذیر نہیں ہوتی کہ اس پر اختیار اور مرضی سے عمل کرنے کی ذمہ داری ڈالی جا سکے۔ لہٰذا اس عرصۂ حیات میں وہ دیگر مخلوقات کی طرح سرتاپا تقدیرِ الٰہی کا پابند ہوتا ہے اور چونکہ یہاں وہ ابھی اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کسی عمل یا حرکت کا اہل نہیں ہوتا سرتاپا حکمِ الٰہی کا پابند ہوتا ہے۔ لہٰذا قطعی طور پر معصوم ہوتا ہے۔ شکمِ مادر میں اس سے سرزد ہونے والے کسی عمل، کسی حرکت کا وہ جواب دہ نہیں ہوتا۔

فرض کیجیے کہ یہاں کے قیام کے دوران اگر اسے کچھ سمجھ بوجھ بھی دے دی جائے اور اسے یہ بتایا جائے کہ بھائی اس دنیا میں تمہاری زندگی بہت تھوڑی ہے اور ایک دن تمہیں یہاں سے انتقال کرنا ہے تو شاید وہ یقین ہی نہ کرے۔ ساتھ ہی اگر اسے یہ خبر دی جائے کہ یہاں سے تمہیں ایک دوسری دنیا میں جانا ہوگا اور اس دنیا کی زندگی یہاں کی زندگی سے بہت زیادہ تقریباً سوگنی ہوگی (۹ ماہ × ۱۰۰ = ۹۰۰ ماہ = تقریباً ۸۰ سال) وہ دنیا جہاں تمہیں جانا ہے وہ بڑی وسیع و عریض ہوگی جس میں تم چل پھر سکو گے چاروں طرف روشنی بکھری ہوگی۔ حسین رنگوں کا ایک خزانہ تمہارے اطراف بکھرا ہوگا۔ انواع و اقسام کے لذیذ کھانے کو ملیں گے۔ ہر طرح کے آرام دہ گھر ہوں گے جہاں بے شمار نعمتیں ہوں گی۔ تم سے محبت کرنے والے ماں باپ، بھائی بہن، عزیز و اقارب ہوں

Marfat.com

گے۔ دریا اور چشمے ہوں گے۔ برفانی ٹھنڈے علاقے ہوں گے اور گرم ترین جگہیں بھی ہوں گی۔ سایہ دار گھنے درختوں کی چھاؤں ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ جب شکمِ مادر میں اسے یہ کچھ وعید دی جائے گی تو آپ کے خیال میں اس کا کیا جواب ہوگا۔ یہی نا کہ کیوں مجھے یہ اُلٹی سیدھی بے سروپا باتیں سنا رہے ہو۔ مجھے تو یہاں سے واپسی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے۔ مجھے زندہ رہنے کے لیے سب کچھ از خود میسر ہے۔ کیسے کہتے ہو کہ میری یہاں زندگی بہت تھوڑی ہے اور کوئی اور دنیا اور اس کی یہ عجیب وغریب سی باتیں۔ یہاں جو کچھ ہے سب کچھ بس یہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ تو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آتا۔ میں اسے حقیقت کیسے مان لوں۔ الغرض شکمِ مادر میں رہتے ہوئے وہ اس دنیا کی حقیقتوں کو تسلیم کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دے گا۔ جس میں ۹ ماہ بعد اسے جانا ہے۔

مگر ہوگا تو یہی نا کہ اس کے پیدا کرنے والے کے حکم سے اسے شکمِ مادر کی دنیا سے بالآخر تقریباً ۹ ماہ کی زندگی گزار کر اس مادی کائنات میں منتقل ہونا ہی ہوگا اور وہ سب کچھ اس کے سامنے ہوگا جسے وہ اپنی پچھلی زندگی میں تسلیم کرنے سے منکر تھا۔ یہاں وہ چل پھر سکتا ہے۔ ایک مقام سے دوسرے تک طویل سفر کے دیگر وسائل اسے دستیاب ہیں جن میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی بکھری ہوئی ہے۔ حسین رنگوں کا ایک خزانہ اس کے اطراف بکھرا ہوا ہے۔ انواع واقسام کے لذیذ کھانے میسر ہیں جس میں ذائقوں کا انتخاب اس کی منشا اور مرضی پر منحصر ہے۔ آرام دہ گھر میں جن میں طرح طرح کی نعمتیں موجود ہیں محبت کرنے والے ماں باپ، بھائی بہن عزیز واقارب ہیں۔ دریا ہیں، چشمے ہیں، برفانی اور ٹھنڈے گرم علاقے بھی ہیں۔ سایہ دار درختوں کی چھاؤں ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ اب اس کے سامنے ہے اور اس کی دسترس میں ہے۔ (جس پر شکمِ مادر) میں رہتے ہوئے وہ یقین ہی نہیں کر رہا تھا۔

Marfat.com

انسان کی بدقسمتی یہ ہے کہ اپنی محدود عقل وفہم کی مجبوری کی وجہ سے غریب صرف اس حقیقت کوتسلیم کرتا ہے جو کچھ اس کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ یہ ناسمجھ غیر موجود کوخواہ وہ کتنا ہی حقیقی کیوں نہ ہوا گر اسے بتایا اور سمجھایا بھی جائے تو مانتا ہی نہیں ہے۔

اسی تسلسل میں آگے چلئے۔ اب اس مادی دنیاوی زندگی میں رہتے ہوئے اسے بتایا جار ہا ہے کہ بھئی اس دنیا میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہنا بلکہ پہلے ہی کی طرح ایک قلیل مدت (۸۰-۹۰ سال) گزار کر پھر اپنے پیدا کرنے والے کے حکم سے ایک تیسری کائنات میں انتقال کرنا ہے۔ وہ کائنات اس مادی کائنات سے کہیں زیادہ وسیع وعریض ہوگی۔ وہاں کی زندگی اصل زندگی ہوگی۔ اس دنیا کی اس قلیل زندگی کے بجائے ابدی ہوگی۔ وہاں کی لذتیں، آرام وآسائش یہاں کے مقابلے میں بہت اچھی اور بہت زیادہ ہوں گی تو پھر اس ناسمجھ انسان کا رویہ وہی جاہلانہ ہٹ دھرمی والا سامنے آتا ہے۔ اس کا جواب ہوتا ہے کہ میں کیسے مان لوں کہ مجھے یہاں سے کہیں اور دنیا میں منتقل ہونا ہوگا۔ اگر یہاں مرگیا تو بس ختم۔ جو کچھ ہے بس یہی ہے جو اس وقت میرے سامنے ہے یا میری دسترس میں ہے۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا کیا جائے۔ کیا اس انسان کو اس کی اس جاہلانہ روش پر اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اپنی عاقبت کوخراب کرنے دیا جائے۔ نہیں ایسا تو نہیں کیا جاسکتا۔ یہ انسان کے ساتھ بھلائی تو نہ ہوئی۔ تو آیئے مختلف زاویوں اور جہتوں سے اسے سمجھاتے ہیں۔ شاید کسی زاویہ سے کبھی اس کی سمجھ میں بات آجائے۔

آخر وجہ کیا ہے کہ جب یہ شکمِ مادر میں تھا تو کسی دوسری دنیا کو جو ایک حقیقت تھی تصور میں لانے سے قاصر تھا اور اب جب یہ دوسری دنیا میں آیا تو یہاں سے آگے کی تیسری دنیا کی حقیقت کو جہاں اسے پھر منتقل ہونا ہے، تسلیم کرنے سے گریز کر رہا ہے۔

Marfat.com

اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ تمام جانداروں کو خالقِ کائنات صرف اتنا ہی فہم اور اتنی ہی عقل دیتا ہے جتنی کہ اسے رہنمائی اور تحفظ کے لیے درکار ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے پہلی دنیا میں رہتے ہوئے کسی دوسری دنیا کے تصور تک دسترس اور دوسری دنیا میں رہتے ہوئے کسی تیسری کائنات کے وجود کے ادراک تک رسائی اس کی دسترس سے باہر ہوتی ہے۔

انسان کا معاملہ فہم و عقل کے معاملے میں دیگر جانداروں سے خاصا مختلف ہے۔ آپ یقیناً اس بات سے متفق ہوں گے کہ عقل کے معاملے میں انسان دیگر جانوروں کے برابر نہیں بلکہ ان سے کہیں زیادہ آگے ہے۔ ہم اس موضوع کو تفصیل سے اگلے کسی باب میں لیں گے۔ یہاں صرف اس نتیجے تک پہنچنا کافی ہے کہ عقل انسانی دیگر جانداروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اگر صرف اس مادی کائنات میں اپنے ماحول میں زندہ رہنے اور تحفظ کا معاملہ ہوتا تو پھر انسان اور دیگر جانور عقل کے معاملے میں ایک دوسرے سے کچھ زیادہ مختلف نہ ہوتے۔ مگر یہاں بہت بڑا فرق واضح طور پر یہ نشاندہی کر رہا ہے کہ انسان کو اس مادی کائنات میں زندہ رہنے اور تحفظ کا مسئلہ درکار نہیں ہے بلکہ اسے اپنے شعور و آگہی کے ذریعے کسی اور سمت کسی اور جانب بھی توجہ دینی ہے۔

ہمیں خبر ہے کہ انسان کے علاوہ بھی اللہ رب العزت کے عالم تخلیق میں اور بھی دیگر مخلوقات ہیں جن میں فرشتے اور دیگر ارواح وغیرہ ہیں۔ ان مخلوقات کی بھی اپنے اپنے ڈائمینشن پر محیط اپنی اپنی کائناتیں ہیں۔ ان تمام کائناتوں کو یکجا کر کے جو بہت سے ڈائمینشن پر محیط ہوں گی اگر ہم کائنات کل کا نام دیں تو ہماری یہ مادی Three Dimensioned cross section (سہ بعدی جز) ہوگی۔ ہماری یہ مادی کائنات اپنے تین Dimensions یعنی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی پر منحصر ہے۔

Marfat.com

انسان کا سفرِ حیات

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ہماری زندگی کا آغاز اس دنیا میں پیدا ہونے والے لمحے سے ہوتا ہے۔ ہم بظاہر اپنی عمر بھی اسی حساب سے بتلاتے ہیں۔ جبکہ حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ اس مادی زندگی کی ابتدا سے پہلے بھی ہم روحانی طور پر عالمِ امر میں بقیدِ حیات رہے۔ ہماری ارواح تو اس دن پیدا کی جا چکی تھیں جب ربِ کائنات نے تمام روحوں سے پوچھا تھا اَلَستُ بربکم الاعلیٰ اور تمام روحوں نے بیک وقت ہاں میں جواب دیا تھا۔ اس وقت سے لے کر دنیا میں قدم رکھنے تک ہم خالص روحانی طور پر ایک زندگی میں تھے۔ اس زندگی کی کوئی یاد کوئی احساس یا ادراک ہمارے ذہن میں اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہمارے اس مادی جسم میں موجود ذہن کی تخلیق ہی اس مادی زندگی کی ابتدا میں ہوئی۔ ہمارے اس ذہن کی تمام یادداشتیں تو شروع ہی اس مادی کائنات میں قدم رکھنے کے بعد سے ہوئی ہیں۔

شکمِ مادر میں ہمارے روحانی جسم کو ایک مادی جسم میں داخل کیا گیا۔ ہمارے اس مادی جسم کے ریشے ریشے اور روئیں روئیں میں ہمارا روحانی جسم اس طرح پیوست ہوا جیسے جلتے ہوئے کوئلے میں حدت ہوتی ہے۔ یوں ہم نے اس مادی کائنات میں اپنی زندگی کے دور کا آغاز کیا۔ ہمارا مادی وجود تین Dimensions پر محیط ہے۔ ہمارے روحانی جسم کے Dimensions ان تین Dimensions سے ہٹ کر ہیں۔ اپنے سفرِ حیات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ہم اسے مندرجہ ذیل پانچ ادوار میں مرحلہ وار تقسیم کر سکتے

Marfat.com

ہیں۔

دورِ اوّل:

جب ہماری روحوں کو اللہ تعالیٰ نے عالمِ امر میں پیدا کیا اس دن سے شکمِ مادر میں آنے تک روحانی زندگی پر مبنی دور ہے۔

دورِ دوئم:

شکمِ مادر میں تقریباً ۹ ماہ پر محیط سفرِ حیات کا وہ حصہ ہے جس میں ہمارا روحانی جسم مادی وجود میں داخل ہو چکا ہوتا ہے اور ہمارا مادی جسم اپنی نشو و نما کے مراحل طے کر رہا ہوتا ہے۔ اس دور کو ہم دورِ اوّل اور دنیاوی زندگی کے درمیان کا ایک برزخی دور کہہ سکتے ہیں۔

دورِ سوئم:

ہماری کل دنیاوی زندگی پر محیط ہے۔

دورِ چہارم:

دنیاوی زندگی کے اختتام اور اُخروی زندگی کی ابتدا کے درمیان کا برزخی دور ہے۔

دورِ پنجم:

ہماری ابد تک کی اُخروی زندگی پر محیط ہے۔

دورِ پنجم یعنی آخرت کی زندگی دو الگ الگ حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلا حصہ وہ ہے جس میں زندگی دنیاوی زندگی سے کہیں زیادہ آرام دہ اور پرآسائش ہوگی اور دوسرا حصہ وہ ہے جس میں زندگی عذابوں بھری انتہائی تکلیف دہ ہوسکتی ہے۔

سرِدست چونکہ ہم سفرِ حیات کے دورِ سوئم یعنی مادی دنیاوی زندگی سے گزر رہے ہیں۔ یوں اس وقت ہمارے لیے اس دور کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ دنیاوی زندگی کے اس دور میں ہم نے اپنے آپ کو جیسا اور جس طرح کا تیار کیا ہوگا اس کے حساب سے اُخروی زندگی کا پہلا یا دوسرا حصہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارا نصیب ہوگا۔

ہمارے اثاثے

دنیاوی زندگی کے اس دور میں ہمارے پاس ہے کیا کیا کچھ۔ ایک تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ہمارا مادی جسم دیا ہے جو کہ ہمارے سامنے ہے اور اس مادی جسم کے لیے ہمیں ہمارے اپنے اندر ایک مادی مشیر دیا ہوا ہے جو ہمیں ہمہ وقت مادی فائدے اور نقصانات بتلاتا رہتا ہے جسے نفس کے نام سے ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس مادی جسم اور مادی مشیر کے ساتھ ہی ساتھ ایک بہت ہی وسیع و عریض مادی کائنات دی ہوئی ہے۔ یہ اتنی وسیع ہے کہ اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے میں روشنی کو ہزاروں سال لگ جاتے ہیں (روشنی کی رفتار تقریباً 4 لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کے قریب ہے) ان کے ساتھ ہی ساتھ ہمارا ایک روحانی جسم بھی ہے جو ہمارے مادی جسم کے اندر اس طرح سے پیوست ہے جس طرح چلتے ہوئے ریڈیو ٹی وی کے پرزے پرزے میں کرنٹ پیوست ہوتا ہے۔ زندہ انسان میں یہ دونوں جسم ایک دوسرے میں پیوست ہوتے ہیں۔ بصورتِ دیگر انسان زندہ نہیں رہتا۔ اس روحانی جسم کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک روحانی مشیر دیا ہوا ہے جو ہمارے روحانی جسم کے اندر اسی طرح موجود ہے جس طرح مادی جسم میں مادی مشیر موجود ہے۔ یہ روحانی مشیر ہمہ وقت ہمیں روحانی فائدے اور نقصانات بتلاتا رہتا ہے۔ اسے ہم قلب کے نام سے پہچانتے ہیں۔ اس روحانی جسم اور روحانی

مشیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی وسیع بلکہ اس سے زیادہ وسیع ایک روحانی کائنات دی ہوئی ہے۔ یہ کل چھ چیزیں ہوگئیں۔ مادی جسم، مادی مشیر، مادی کائنات، روحانی جسم، روحانی مشیر اور روحانی کائنات۔Normal آدمی وہ ہے جس کے یہ دونوں جسم ساتھ ساتھ بڑھ رہے ہوں۔ دونوں کائناتوں میں تجربے اور مشاہدے سے گزر رہا ہو۔ اس لیے کہ تجربہ اور مشاہدہ انسان کے علم میں اضافہ کرتا ہے اور علم میں اضافہ اس کے مرتبے میں اضافہ کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ، ہماری تعلیم، ہماری صحبتیں کچھ ایسی ہو کر رہ گئی ہیں کہ نارمل آدمی نارمل نہیں رہنے پاتا۔ اس کی نارملٹی میں کجی آجاتی ہے، فرق آجاتا ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم اپنے دونوں مشیروں یعنی مادی مشیر اور روحانی مشیر کی باتیں اور مشورے ایک توازن کے ساتھ سنیں اور توازن ہی کے ساتھ ان پر عمل کریں۔ دونوں کائناتوں میں تجربے اور مشاہدے سے گزریں لیکن ہم ایسا نہیں کر پاتے۔ ہمیں اپنے کسی ایک مشیر کی باتوں میں زیادہ دلکشی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے مشورے زیادہ اہم اور اچھے لگتے ہیں اور ہم اس کی طرف جھک جاتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ روزمرہ زندگی میں ہمارا یہ جھکاؤ اپنے مادی مشیر یعنی نفس ہی کی طرف ہوتا ہے۔ نفس کی باتوں اور مشوروں میں ہمیں زیادہ دلکشی محسوس ہوتی ہے۔ یوں بگاڑ کی پہلی اسٹیج Stage شروع ہو جاتی ہے۔ اس میں ہمیں نفس یعنی مادی مشیر کی ہلکی سی آواز بہت تیز سنائی دیتی ہے اور دوسری جانب روحانی مشیر یعنی قلب کی چیخ ہمارے لیے مدھم ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ ہم اپنے مادی مشیر یعنی نفس کو زیادہ اہمیت دینے لگتے ہیں۔ جب یہ سفر آگے چلتا ہے تو بگاڑ کی دوسری اسٹیج شروع ہوتی ہے۔ اس Stage میں جب ہمارا روحانی مشیر یہ دیکھتا ہے کہ اس کی سنی ہی نہیں جاتی تو وہ مشورے دینا ہی بند کر دیتا ہے۔ ایسے شخص کے اندر صرف اس کا مادی مشیر یعنی نفس ہی بول رہا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو صرف مادی فائدے اور نقصان کی بات ہی سمجھ میں آتی ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا خواہ کتنا ہی سمجھاؤ کیوں کہ اس

کے اندر دوسری آواز ہوتی ہی نہیں (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے) اور جب یہ سفر مزید آگے چلتا ہے تو بگاڑ کی تیسری اور آخری Stage آجاتی ہے۔ یہاں روحانی مشیر بجائے روحانی فائدے اور نقصانات بتانے کے مادی مشیر بن جاتا ہے یعنی نفس کا کردار ادا کرنے لگتا یہاں پہنچ کر انسان کلی طور پر مادی ہو جاتا ہے۔ اس کا روحانی مشیر مادی مشیر بن چکا ہوتا ہے۔ روحانی جسم ہوتا تو ہے مگر عملاً ناکارہ ہوتا ہے۔ روحانی کائنات ہوتی تو ہے مگر اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی ہوتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں تک آنے سے بچائے) اس بات کو ایک مثال سے سمجھ لیجیے مثالوں سے بات آسانی سے مجھ میں آجاتی ہے۔ فرض کریں کہ میری دو بیویاں ہوں ایک بہت ہی اللہ والی ہو اور دوسری انتہائی فیشن زدہ۔ چونکہ دونوں ہی میری بیویاں ہیں ہونا تو یہ چاہیے کہ برتاؤ میں میں ان کے درمیان ایک توازن قائم رکھوں۔ دونوں کی برابر سنوں لیکن میں ایسا نہیں کر پاتا۔ ایک بیوی میں جو کہ فیشن زدہ ہے مجھے زیادہ دلکشی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کی باتیں مجھے زیادہ اچھی لگتی ہیں تو بگاڑ کی پہلی سٹیج میں یہی ہوگا تاکہ میں اپنی فیشن زدہ بیوی کی جانب جھک جاؤں گا۔ اسے زیادہ اہمیت دینے لگوں گا۔ اس کی ہلکی سی بھی آواز مجھے تیز سنائی دینے لگے گی اور چونکہ اب میں اپنی دوسری اللہ والی بیوی کو غیر اہم سمجھتا ہوں۔ لہٰذا وہ چیختی بھی رہے گی تو میں اس کی پروا نہیں کروں گا۔ گویا اس کی چیخ بھی میرے لیے مدھم ہو گئی۔ ان دونوں بیویوں کے درمیان میرا یہ غیر متوازن رویہ اگر چلتا رہا تو آگے چل کر بگاڑ کی دوسری اسٹیج آئے گی جس میں ہوگا یہ کہ میری اللہ والی بیوی جب یہ دیکھے گی کہ اس کی غریب کی سنی ہی نہیں جاتی تو وہ مجھ سے گفتگو ہی بند کر دے گی اور گوشہ نشینی اختیار کرے گی۔ اب میں جہاں کہیں بھی ہوں گا صرف فیشن زدہ بیوی ہی میرے ساتھ ہوگی۔ جیسے کہ میری دوسری بیوی ہو ہی نہیں۔ اس سفر میں آگے چل کر پھر تیسری اسٹیج بھی آجائے گی۔ میری اللہ والی بیوی کو مجھ سے اس لاتعلقی اور گوشہ نشینی میں سکون نہیں ملے گا

Marfat.com

اسے تو شوہر کی توجہ چاہیے اور آخر کار وہ بھی میرے سامنے اسی روپ کو دھار لے گی جسے میں پسند کرتا ہوں یعنی صورتاً اور عملاً فیشن زدہ بن جائے گی۔ بالکل اسی طرح یہی تینوں Stages دوسری جانب بھی آتی ہے یعنی جب کسی شخص کو اپنے روحانی مشیر یعنی قلب میں زیادہ دلکشی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کی باتیں اور مشورے زیادہ اچھے لگنے لگتے ہیں تو پہلی اسٹیج میں روحانی مشیر کی ہلکی سی آواز بہت تیز سنائی دے گی اور مادی مشیر یعنی نفس کی چیخ بھی مدھم ہو جائے گی۔ اس مرحلے میں مادی مشیر جب یہ دیکھے گا کہ اس کی سنی ہی نہیں جارہی ہے تو وہ مشورے دینا ہی بند کر دے گا۔ ایسے انسان کے اندر صرف اس کا روحانی مشیر ہی بول رہا ہوتا ہے۔ اس شخص کو سوائے روحانی فائدے اور نقصان کے علاوہ کوئی دوسری بات سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ کیونکہ اس کے اندر دوسری آواز ہوتی ہی نہیں۔ اس سفر میں آگے چل کر تیسری اسٹیج آتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہاں تک پہنچائے۔ آمین) اس اسٹیج میں نفس یعنی مادی مشیر روحانی مشیر کا کردار اپنا لیتا ہے۔ وہ بھی قلب کے ساتھ ساتھ روحانی ہو جاتا ہے۔ Normality سے گریز کی صورت میں یہ چھStages ہمارے سامنے آئیں۔ تین مادی سفر میں اور تین روحانی سفر میں۔ یوں اپنے آس پاس بکھرے ہوئے تمام انسانوں کو سات مختلف اقسام میں بانٹ سکتے ہیں۔ تین گروہ وہ جو پہلی، دوسری یا تیسریStages میں مادی سفر میں ہوں گے۔ تین گروہ وہ جو پہلی، دوسری یا تیسریStages میں روحانی سفر میں ہوں گے۔ ساتواں گروہ وہ جو اپنے دونوں مشیروں کے درمیان توازن برقرار رکھے گا یعنی نارمل آدمی ہوگا۔ گزشتہ گفتگو میں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ مادی سفر کی تینوںStages میری نظر میں ناپسندیدہ ہیں جن کے لیے میں نے ''اللہ ہمیں ان سے بچائے'' کے الفاظ استعمال کیے۔ جبکہ روحانی سفر کو میں نے پسند کیا اور تمنا کی کہ ''اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں تک پہنچائے'' ایسا کیوں ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب سے انسان نے اس کائنات میں سوچنا اور سمجھنا شروع کیا اس

دن سے لے کر آج تک وہ اس کائنات کو اس سے متعلق ہر چیز کو اور اپنے آپ کو اور اپنے سے متعلق ہر چیز کو دو نظریوں کے تحت سوچ اور سمجھ رہا ہے۔ آج تک کوئی تیسرا نظریہ نہیں پیدا ہو سکا۔ پہلے نظریہ کو مادی نظریہ کہہ لیجیے۔ انسانی زندگی کے Assessment کے معاملے میں مادی نظریہ مادے کو مقدم و موخر گردانتا ہے۔ اگر اس نظریہ کو سچ مان لیا جائے تو انسان کی زندگی اس دن سے شروع ہوگی۔ جس دن وہ ایک مادی وجود کے ساتھ اس مادی کائنات میں پیدا ہوتا ہے اور اس کی زندگی اس دن ختم مانی جائے گی جس دن اس کا یہ مادی وجود اس کائنات میں ختم ہو جائے گا۔ یہی انسان کی زندگی کا کل دورانیہ ہوگا۔ یہ تو ہوئی مادی نظریہ کی بات، دوسری جانب زندگی کے Assesment کے معاملے میں روحانی نظریہ مادہ کے بجائے روح کو مقدم و موخر مانتا ہے۔ اگر اس نظریہ کو سچ مانا جائے تو انسان کی کل زندگی اس دن سے شروع ہوگی جس دن اس کی روح پیدا کی گئی اور انسان اس وقت تک زندہ رہے گا۔ جب تک اس کی روح زندہ رہے گی۔ وہ کسی Form میں ہو، کسی جہان میں ہو۔ اس طرح ان دو نظریوں کے تحت انسان کی جو دو زندگیاں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مادی نظریہ کے تحت انسان کی کل زندگی بہت چھوٹی جبکہ روحانی نظریہ کے تحت انسان کی زندگی ایک بہت بڑے Period پر محیط ہے۔ یہی وہ وجہ ہے جس کی بنا پر ہم اس شخص کو ناپسند کرتے ہیں جس نے مادی کائنات میں سفر اختیار کیا ہو اور کلی طور پر مادی ہو گیا ہو اور اس شخص کو پسند کرتے ہیں اور اس جیسا بننے کی تمنا کرتے ہیں جس نے روحانی کائنات میں سفر کیا ہو اور کلی طور پر روحانی ہو گیا ہو اور بہت بڑے Period کو جس نے نظر رکھ کر اپنی زندگی گزاری ہو۔

Marfat.com

قصہ مختصر

گزشتہ صفحات میں ہم نے اب تک جتنی باتیں بھی کیں انہیں داستانِ آب وگِل کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس داستان میں ہم جس مادی وجود کے ساتھ اس دنیا میں موجود ہیں اس کی بات ہوئی۔ یہ مادی دنیا جس نظامِ شمسی میں موجود ہے ہم نے اس کا جائزہ لیا۔ ہمارا نظامِ شمسی جس کہکشاں میں واقع ہے اس کی مختصراً بات ہوئی۔ ساتھ ساتھ اس مادی کائنات کی پیدائش اور انجام تک پر نظر ڈالی گئی اور یہ سب باتیں کسی قیاس یا گمان پر نہیں کی گئیں بلکہ سائنسی حقائق کی بنیاد پر کی گئیں۔ پھر اس حقیقت کی بھی بات ہوئی کہ ہماری اصل حیات شروع اس دن سے ہوئی جس دن ہماری روح کو پیدا کیا گیا۔ ہماری اس روحانی زندگی نے ایک قلیل عرصہ کے لیے مادی کائنات میں ہماری مادی زندگی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ اس دنیاوی زندگی میں بھی ہماری روحانی حیات جاری و ساری ہے اور اس کے اختتام کے بعد بھی ابدالآباد تک پھیلی ہوئی اخروی حیات جاری و باقی رہے گی۔ ہماری پوری روحانی حیات کا دورانیہ جو کہ ہماری اصل حیات ہے خاصا طویل ہے۔ دنیاوی زندگی اس اصل حیات کے مقابلے میں ایک سانحہ کے برابر ہی تو ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ اس قلیل دنیاوی زندگی میں موجود جو کچھ بھی ہمارا اثاثہ ہے سب بے اعتباری ہے۔ حواسِ خمسہ اور عقل کے واسطے سے حاصل شدہ ہمارا تمام ظاہری علم بھی نامکمل۔ جس زمین پر ایک مختصر سے عرصہ کے لیے ہمارا قیام ہے وہ زمین بھی اپنی حقیقت اور کلیت میں جو کچھ ہے ہمارا حاصل شدہ موجودہ علم اس کے عشرِ عشیر کا بھی احاطہ نہیں

Marfat.com

کرتا۔ جس مادی کائنات میں ہم موجود ہیں اس کی بھی حقیقت کل کے سامنے ہمارے علم کی بساط ہی کچھ نہیں۔ ہمارا ہر مشاہدہ، ہر تجربہ نامکمل ادھورا اور قابل اصلاح ہوتا ہے۔ اس کائنات کی جامعیت اور وسعت کا حقیقی تصور ہمارے لیے محال ہے۔ ہم ماسوا تین Dimensions کے دیگر ممکنہ Dimensions کو بھی تصور میں لانے سے قاصر ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ وقت سے متعلق جدید نظریات اور حقائق نے تو اب ہر مادی حقیقت کو اور اس کے ماضی حال اور مستقبل تک کو بری طرح روندھ کر رکھ دیا ہے۔ فی زمانہ اس حال میں ہم میں سے کوئی شخص سب کچھ جان لینے اور سمجھ لینے کے بعد بھی اس مادی زندگی کو ہی اگر سب کچھ سمجھ رہا ہو اور اپنی تمام تر توانائی اور میسر مہلت کو صرف مادی لوازمات کے لیے وقف کر کے رکھ دے تو اس سے بڑی ناسمجھی اور حماقت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ سارے مادی اثاثے اگر سچ پوچھیں تو ماسوا کچھ بھی نہ ہونے کے اور کیا ہیں۔ مگر کیا کیا جائے دنیاوی لذات کے سامنے ایک سیدھا سادا کم علم آدمی بہت جلد راغب ہو جاتا ہے۔ اس میں ظاہری کشش کا بہت زیادہ سامان موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فی زمانہ لوگوں کی کثیر تعداد خواہشات نفسانی کے حصول اور مادہ پرستی میں ہمہ تن مصروف نظر آتی ہے۔ جو صرف اور صرف دنیا کی ہی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس نے اپنے روحانی پہلو سے اس حد تک اپنے آپ کو لاتعلق کر لیا ہے کہ جیسے اس کا کوئی روحانی وجود ہے ہی نہیں۔ روحانی مشیر یعنی قلب کے مشوروں سے انہیں کوئی واسطہ کوئی سروکار نہیں۔ نیز اس دنیا کے علاوہ انہیں اور کہیں جانا ہی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو تو جیسے کسی دوسرے عالم کی نہ تو خبر ہے اور نہ ہی فکر۔

انسان اس کائنات میں اپنے وجود کی حیثیت اور اہمیت کے لحاظ سے ایک ارفع و اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ گو کہ حیات کی درجہ بندی میں اس کا درجہ ملائیکہ کے بعد درجہ دوئم پر

Marfat.com

ہے لیکن انسان کو فوقیت اس بات پر حاصل ہے کہ وہ اطاعتِ خداوندی اپنی مرضی منشاء اور ارادے سے قبول کرتا ہے۔ کائنات کی تخلیق کے تناظر میں بھی اگر دیکھا جائے تو انسان کی ذات ایک اہم مرتبے پر فائز ملتی ہے۔ خالق کائنات نے اسے ان کمالات اور صفات سے متصف فرمایا ہے جس میں اس پوری کائنات میں موجود کوئی مخلوق اس کی برابری نہیں کرسکتی۔ نیز ان کمالات اور صفات کا حامل بنا دینے کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی معرفت اور اپنے قرب کا اہل بھی بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان ماسوا اس کے کسی اور کی جانب رجوع نہ کرے۔ معرفتِ خداوندی اور قربِ الٰہی سے رابطے کی وساطت سے انسان اس پوری کائنات اور اس میں موجود تمام مخلوقات کو مسخر کر لینے پر قادر ہے۔ انسان کے اپنے اندر باری تعالیٰ نے بے پناہ طاقت اور اہلیت پنہاں کر رکھی ہے۔ جبکہ ملائیکہ میں اطاعت خداوندی ان کی سرشت میں داخل ہے۔ انسان کے خمیر میں بہمیت بھی ہے اور ملوکیت بھی ہے۔ خیر بھی ہے اور شر بھی۔ جب شر اور بہمیت اس پر غالب ہوتی ہے تو غضب اور شہوت کا عنصر نمایاں طور پر اس کے کردار پر حاوی ہوتا ہے۔ نتیجہ اسے ہلاکت، گمراہی اور ضلالت کی طرف لے جاتا ہے۔ معصیت کی خواہش اس کے اندر کروٹیں لے رہی ہوتی ہے۔ وہ دیوانہ وار کبھی نفس کی اطاعت میں تو کبھی دنیا کی چاہ میں تو کہیں مال و دولت کے لالچ میں تو کہیں اغیار کی غلامی میں نجات کی تلاش میں تو کہیں شہرت و جاہ طلبی میں پھنسا ہوتا ہے اور ناسمجھ یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑی کامیاب زندگی گزار رہا ہے۔

یہ سارا بگاڑ دراصل ذہن کی صحیح تربیت اور صحیح علم کے فقدان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ نامکمل ادھورے اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگ جس طرح سوچ اور سمجھ رہے ہوتے ہیں اس طرح معاملات تو صرف جانوروں اور حیوانوں کا مقدر ہیں۔ دنیاوی اور

مادی ترقی کو بھی اگر سب کچھ سمجھ لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دنیاوی ترقی اور سائنسی علوم کی ترقی نے انسانوں کے دکھوں کو کم کر دیا ہے یا ان میں مزید اضافے کا موجب بنی ہے۔ کیا اس نے انسان کو ایک پرسکون اور مطمئن زندگی دے دی ہے یا بے سکونی اور بے اطمینانی کو بڑھا دیا ہے۔

سائنسی علوم اور مادی ترقی انسان کے لیے صرف اسی وقت مفید اور کارآمد ثابت ہوگی جب انسان صحیح سوچ اور فکر کے مثبت زاویے کے ساتھ معاملات کو دیکھے اور سمجھے۔ دنیاوی ترقی اور دنیاوی زندگی صرف اور صرف اس صورت میں انسان کے حق میں اہم اور مثبت ثابت ہوگی جب اس حقیقت کو لازماً سامنے رکھا جائے کہ اس پر ہماری آئندہ کی طویل ترین روحانی اور اُخروی حیات کا دارومدار ہے۔ یہ ساری عظیم اور بسیط کائنات جو انسان کے تابع کر دی گئی ہے کوئی باطل اور بے مقصد و بے معنی نہیں بشرطیکہ اسے انسان اپنی دائمی روحانی زندگی کے تناظر میں دیکھے اور سمجھے۔

ہم اپنی جسمانی نشو ونما اور ترقی کے لیے تو ہمہ وقت کوشاں ہوتے ہیں۔ جسمانی صحت اور نشو ونما میں حائل تمام امراض کے علاج و معالجہ میں اپنی پوری توجہ اور وسائل استعمال کرتے ہیں لیکن روحانی معاملات، روحانی صحت اور ترقی میں حائل رکاوٹوں اور روحانی بیماریوں کے تدارک میں انتہائی غیر سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ حالانکہ روحانی زندگی اور روحانی ترقی ہماری اصل دائمی حیات کے لیے مادی معاملات سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ یوں تو دنیاوی زندگی کے بعد موت اور اس کے بعد آخرت کی زندگی کی ابتدا تسلیم کی جاتی ہے۔ وہ دنیاوی زندگی جو فکرِ آخرت میں بسر کی گئی ہو اور اس طرح اختیار کی گئی ہو کہ بعد از مرگ ابدی حیات ایک بہتر اور خوشگوار صورت میں حاصل ہو سکے۔ ایسی دنیاوی زندگی کو ہم آخرت کی زندگی کا پیش خیمہ کہہ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس ایسی

دنیاوی زندگی جو فکرِ آخرت سے آزاد اور بے خبر گزرے اُسے ایک ناکام اور مذموم زندگی ہی کہا جا سکتا ہے۔ آخرت کی لذتیں اور لوازم دنیاوی لذتوں سے بہت زیادہ ہیں اور ابدی حیثیت رکھتی ہیں۔ آخرت میں ربِّ کائنات کی عنایات و انعامات بے حد و حساب ہیں۔ جبکہ دنیا میں بہت نپی تلی اور بہت حساب و کتاب سے میسر ہیں۔

گزشتہ صفحات میں یہ بات بار بار کئی مقامات پر دہرائی جاتی رہی ہے کہ ہم زندگی اس دنیا میں گزار رہے ہیں۔ وہ بیک وقت دو زندگیوں کا مرکب ہے۔ پہلی زندگی مادی زندگی ہے جس کے لوازم میں ہماری جسمانی ضروریات تحفظ، احساسات، جذبات، مادی ترقی، سائنسی ایجادات اور نئی راہوں کی تلاش، مادی علوم کا حصول وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری زندگی جو ہم جی رہے ہیں وہ روحانی زندگی ہے جس کے لوازم میں روح، روحانی تقاضے، روحانی کائنات میں تجربے مشاہدے، روحانی مراتب میں ترقی وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ Normal آدمی وہ ہے جو ان دونوں سے کما حقہٗ واقفیت رکھتا ہو۔ دونوں کائناتوں میں تجربے اور مشاہدے سے گزر رہا ہو۔ دونوں کائناتوں کے علم کا متلاشی ہو اور اپنے علم میں مسلسل اضافہ کر رہا ہو اور اپنے مراتب بلند کر رہا ہو۔

ہمارا اپنا وجود صرف مادہ سے تخلیق کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اس کے ریشے ریشے میں انسانی روح پیوست ہے۔ اگر مادی وجود سے روح کو نکال دیا جائے تو زندہ انسان نہیں بلکہ ایک مردہ لاش کے علاوہ کچھ نہیں رہتا تو پھر آخر ساری توجہ روح سے یکسر ہٹا کر صرف مادہ پر ہی کیوں مرتکز ہے۔

اس کائنات کے سربستہ رازوں میں روح آج تک سب سے بڑا راز ہے۔ اس کی پراسراریت پر سے تمام ظاہری علوم بشمول سائنس آج تک پردہ نہیں اُٹھا سکی۔ اس کے ادراک سے عقلِ انسانی ہمیشہ قاصر رہی۔

Marfat.com

انسان کی حیات میں ایک طویل تسلسل ہے۔عہدِ میثاق کے دن سے ایک روحانی زندگی (وہ لوگ جو اس زندگی کے صرف اس لیے قائل نہیں کہ یہ زندگی اگر ہم نے جی ہوتی تو ہمیں یاد ہوتی۔ان لوگوں سے میرا یہ سوال ہے کہ شکمِ مادر میں جب تم تھے تو ذرا وہاں کا حال تو بتاؤ۔اگر تمہیں یاد نہیں تو انکار کردو کہ تم کبھی شکمِ مادر میں رہے۔اگر ہمیں کوئی واقعہ یاد نہیں یا ہمارے علم میں نہیں تو اس بنیاد پر اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا)۔ پھر شکمِ مادر میں ایک عالم برزخ سے گزرنا جہاں جسمِ لطیف اور جسمِ کثیف کا اتصال ہوا پھر شکمِ مادر سے نکل کر دنیا میں آنا جہاں روحانی زندگی کے ساتھ ساتھ مادی زندگی بھی جینا اور مادی کائنات سے سابقہ۔اس دنیا میں مادی موت سے انسان کی حقیقی اور کلی موت واقع نہیں ہوتی بلکہ جب جسمِ خاکی (جسمِ کثیف) بیکار ہو جاتا ہے تو حیات جسمِ کثیف سے نکل کر روح کے ہمراہ جسمِ لطیف میں منتقل ہو جاتی ہے اور دنیاوی زندگی میں سرزد ہونے والے اعمال کے حساب سے روحانی کائنات کے کسی حصے میں چلی جاتی ہے۔

روح

ہمارا مادی جسم فانی ہے اور روح ازلی اور ابدی حیثیت رکھتی ہے۔ روح ایک حقیقت ہے۔ جبکہ مادی جسم ایک پرتَو۔ مادی زندگی اور مادی خواہشات کی تکمیل میں یوں منہمک ہو جانا کہ کسی اور جانب توجہ ہی نہ ہو دانشمندی نہیں بلکہ سراسر جہالت اور گمراہی ہے۔ روح کی اصل عظمت کو سمجھنا اور تسلیم کرنا چاہیے۔ ہمارا جسمِ لطیف جو روح کا مسکن ہے ہواؤں اور آبی بخارات سے بھی کہیں زیادہ لطیف ہے۔ وہی حقیقت انسان ہے۔

دنیاوی زندگی کے اختتام پر حقیقی انسان کا رابطہ مادی جسم سے کٹ جاتا ہے۔ مادی زندگی میں جو علم انسان حاصل کرتا ہے وہ روح کو بھی منتقل ہوتا رہتا ہے اور مادی زندگی میں جو اعمال بھی کیے جاتے ہیں ان سے روح براہِ راست متاثر ہوتی ہے۔ نیک اعمال، پرہیزگاری، تقویٰ اور عبادات سے انسان کی روح کو تقویت ملتی ہے۔ اسی طرح انسان کے قلب کے ساتھ بھی روح کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ قلب کو متاثر کرنے والے عوامل روح پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

کچھ صاحبانِ فہم و دانش جنہیں مادی اور سائنسی علوم پر دسترس حاصل رہی اور ساتھ ہی ساتھ انہیں باطنی معاملات میں بھی دلچسپی رہی ان میں سے بعض کا خیال یہ بھی ہے کہ روح اور مادی جسم کا مرکز اتصال وہ برقی اور آتشی عنصر ہو سکتا ہے جو ہمارے اعصابی نظام کی روحِ رواں ہے۔ یہ برقی اور آتشی عنصر ہماری شریانوں میں دوڑنے والے خون

Marfat.com

میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ہماری تمام شریانوں میں دوڑنے والے خون کا مرکز ہمارا قلب ہوتا ہے۔ ان افراد کا یہ بھی کہنا ہے کہ اعصابی نظام کے سوا کوئی دوسرا جسمانی نظام روح سے رابطے کا عمل سرانجام دے ہی نہیں سکتا۔

انہیں افراد میں بعض کے نزدیک روح اور مادی جسم کا مقام اتصال وہ خلا بھی ہو سکتا ہے جو ہمارے جسم کے خلیوں میں موجود ایٹموں کے اندر موجود ہے۔ ہمارے جسم کو بنانے والے یہی خلیے تو ہیں جہاں شخصیت کی تعمیر سے لے کر اس کی انفرادیت کا تمام ریکارڈ محفوظ ہوتا ہے۔

اہلِ معرفت روح کی مختلف اقسام بتلاتے ہیں۔ وہ روح جو نباتات و حیوانات میں حیات کو قائم رکھتی ہے اور جسم میں حیات کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے روحِ حیوانی کہلاتی ہے۔ روحِ حیوانی نباتات اور جملہ حیوانات کے جسموں میں حرکت اور نشو ونما پیدا کرتی ہے۔ اس کا معدن و مرکز دل و دماغ ہوتے ہیں۔

دوسری قسم روح القدس کہلاتی ہے۔ اسے ذاتِ باری تعالیٰ سے خاص وجہ ہے۔ یہ احاطہ کن سے خارج مانی جاتی ہے اور مخلوقات میں اس کا شمار نہیں ہوتا۔ یہ نقائص کونیہ سے پاک ہے اور وجہ الٰہی کے ساتھ ہر چیز میں تعبیر کی جاتی ہے۔ انسان اپنے مرتبہ میں دیگر مخلوقات سے نہ صرف جدا ہے بلکہ ارفع و اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے۔ اسے نہ صرف روحِ حیوانی اور روح القدس سے تعلق ہے بلکہ اس میں اضافی طور پر ایک تیسری روح روحِ انسانی بھی ہے جو ان دونوں روحوں یعنی روحِ حیوانی اور روح القدس کے درمیان بطور واسطے کے ہے۔ روحِ انسانی ہی وہ واسطہ اور تعلق ہے جو معبود اور عبد کے درمیان راز و نیاز کو جاری رکھنے کا وسیلہ ہے۔ انسانوں میں روحِ انسانی ہی وہ امتیاز ہے جو اسے جملہ

Marfat.com

حیوانات ومخلوقات سے مختلف اور ممتاز درجہ پر رکھے ہوئے ہے۔ انسان کی روح کا تعلق اس کے قلب اور ذہن کے ساتھ بیک وقت اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا سرا عالمِ ملکوت و جبروت سے گزرتا ہوا عالمِ ارواح تک پہنچتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان مستقل طور پر اپنی روح کی وساطت سے عالمِ ارواح سے جُڑا ہوا ہے۔ جب انسان کا رشتہ اس مادی کائنات سے ٹوٹتا ہے تو روح عالمِ ارواح میں اپنے اعمال کی مناسبت سے جگہ پاتی ہے۔ بزرگ اور بلند مرتبہ لوگوں کا مقام بھی بلند وارفع ہوتا ہے اور گنہگاروں کا مقام اتنا ہی پست مقرر ہوتا ہے۔ دنیا سے انتقال کے بعد ارواح انتہائی سرعت سے عالمِ ارواح میں اپنے اپنے مقام تک پہنچ جاتی ہیں۔ بدکار و بداعمال روحیں اپنی کثافت کی بنا پر عالمِ ارواح میں کسی بلند مقام تک نہیں پہنچ پاتیں بلکہ دنیا اور اس کے قرب وجوار (عالم ناسوت میں جو دنیا کے قریب تر ہے) بھٹکتی رہتی ہیں اور کبھی کبھی انسانوں کو دنیا سے بھی نظر آجایا کرتی ہیں۔

Marfat.com

علوم

ہم پچھلے صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ مراتب کا اور ترقی کا حصول خواہ کسی دنیا کا ہو مادی ہو یا روحانی علم ہی اس کے لیے بہترترین واسطہ ہوتا ہے۔علمی سطح میں بلندی مراتب کی بلندی کی ضامن ہوا کرتی ہے۔علم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو ہمیں اپنے معاملات خواہ مادی ہوں یا روحانی ان کی بہتری کی سمجھ دیتا ہے۔ نیز اعمال کو بھی خواہ مادی ہوں یا روحانی ان کی درست سمت سے آگاہی دیتا ہے۔علم کے بغیر نہ تو اعمال کو اور نہ ہی فکر کو صحیح سمت پر رکھا جاسکتا ہے۔اگر معاملات اور سوچ صحیح سمت پر نہ ہوں تو سوائے خسارے اور گمرہی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اس لیے ضروری ہے یہاں بھی علم کے تعارف میں کچھ گفتگو کر لی جائے۔ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہماری زندگی کی ہر ضرورت کا نہ صرف خیال رکھا ہے بلکہ اس کا بندوبست بھی بڑے احسن طریقے سے کر رکھا ہے۔وہ غذا کا معاملہ ہو، پانی کا ہو، ہوا کا ہو (وغیرہ وغیرہ) علم کا حصول بھی انسان کی اہم ترین ضرورتوں میں آتا ہے۔لہٰذا اس کے حصول کے ذرائع بھی اللہ تعالیٰ نے حسب ضرورت خاصے مہیا کر دیے ہیں۔قرآنِ کریم میں بھی جا بجا علم کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی علم کے حصول پر بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔آپ کی اس حدیث سے تو ہم سب واقف ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم حاصل کرو خواہ اس کے لیے چین جانا پڑے۔ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ مخلوق کو چار ذریعوں سے علم دیتا ہے۔ پہلا ذریعہ وجدان، دوسرا حواس، تیسرا عقل اور چوتھا وحی ہے۔ ان چاروں ذریعوں کا ہم پچھلے ابواب میں تفصیلی ذکر کر چکے ہیں۔ ان چاروں ذریعوں میں سب سے زیادہ مستند اور شک و شبہ سے پاک وہ علم ہے جو بذریعہ وحی عطا کیا گیا ہو۔ انہیں چاروں حصولِ علم کے ذرائع کے اعتبار سے ہم علم کی چار اقسام میں درجہ بندی کر سکتے ہیں۔ پہلا وہ جو وجدان کے ذریعے ملا ہو۔ دوسرا وہ جو حواس فراہم کر رہے ہوں۔ تیسرا وہ جو عقل کی وساطت سے حاصل ہو رہا ہو اور چوتھا وہ جو بذریعہ وحی عطا کیا گیا ہو۔ ہر مخلوق کے لیے اس کی کائنات جس میں وہ موجود ہو دو حصوں پر منقسم ہوا کرتی ہے۔ ایک حصہ اس کے لیے حلال جبکہ دوسرا حصہ اس پر حرام ہوتا ہے۔ انسان کے لیے بھی اس کی کائنات دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ حلال ہے تو دوسرا اپنی حقیقت رکھنے کے باوجود اس پر خالق کی طرف سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں علم کا معاملہ بھی ہے۔ وہ تمام علوم جن کا تعلق شیاطین سے ہو انسان پر حرام ہیں (ان میں تمام سفلی علوم وغیرہ آتے ہیں)۔

چونکہ ہماری زندگی کی دو جہتیں ہیں۔ ہمارے دو جسم ہیں، دو کائناتیں ہیں اس حوالے سے ہمارے علوم کی بھی دو جہتیں ہیں۔ ایک ظاہری علوم اور دوسرے باطنی علوم۔ ظاہری علوم خالصتاً مادی کائنات اور انسان کی دنیاوی زندگی سے متعلق ہیں۔ ظاہری علوم میں ترقی کر کے دنیا میں بلند مراتب تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ اس جہت میں ہمارے سامنے ہے کہ انسانوں نے بڑی مادی ترقی کی منزلیں طے کی ہیں اور کر رہا ہے۔ ظاہری علوم حواس اور عقل کی رہنمائی میں آگے لے کر چلتے ہیں۔ اس کے حصول کے ذرائع بھی ساری دنیا میں روشنی کی طرح موجود ہیں۔ بچہ ہوش سنبھالتے ہی سکول میں داخل کرا دیا جاتا ہے۔ جہاں ایک سے بڑھ کر ایک قابل اُستاد اسے علم کے راستے پر لے

کر چل پڑتا ہے۔ سکول کے بعد کالج اور یونیورسٹیوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ہر مضمون کی تعلیم بڑے پیمانے پر دی جا رہی ہے۔ مخصوص نصاب کے ذریعے لیکچرر اور پروفیسر حضرات اسے اس کے مضمون میں ماسٹر بنا رہے ہیں۔ ان تمام اداروں کی کارکردگی پر بھی باقاعدہ حکومتی نگرانی ہوتی ہے اور ان سے حاصل شدہ اسناد ساری دنیا میں تسلیم کی جاتی ہیں۔

دوسری جانب یعنی باطنی علوم کے حصول کا معاملہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ دنیا میں خاص طور پر اسلامی مملکتوں میں تو باطنی علوم کے حصول کے لیے اس طرح سکول کالج یونیورسٹیوں کا جال پھیلا ہونا چاہیے جہاں مستند نصاب کی تعلیم دی جاتی اور اس پر مناسب نگرانی کا نظام بھی ہوتا ہے۔ باطنی علوم کا حصول تو ظاہری علوم کے حصول سے کہیں زیادہ انسان کی ضرورت تھا لیکن بدقسمتی سے حقائق ایسے نہیں۔ باطنی علوم کی مد میں دینی تعلیم کی فراہمی تو کما حقہ مدرسوں اور دارالعلوم سے دی جا رہی ہے مگر وہ بھی جا بجا مسلکوں کے خانوں میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ دین کے شعبہ کے علاوہ روح، روحانی معاملات اور روحانی کائنات وغیرہ سے متعلق علم کے حصول کی ہے۔ فی زمانہ اتنی ضرورت معاشرے میں محسوس نہیں کی جا رہی جتنی ظاہری علوم کی طلب میں ہے۔ پورا انسانی معاشرہ ایک طرف دوڑا چلا جا رہا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس مادی ترقی کی دوڑ نے انسان کو کیا دیا ہے۔ زندگی میں سکون، اطمینان، اصول پرستی کے معاملے میں ترقی کے بجائے تنزلی کی طرف جا رہا ہے۔ اپنے شہر اپنے علاقے اور ملک کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں زیادہ نہیں۔ آج سے ۵۰-۶۰ سال پرانے زمانے پر ہی نظر ڈال لیں۔ غربت اور تنگ دستی کے باوجود سکون اور اطمینان آج سے کہیں زیادہ تھا۔ آپس میں میل ملاپ اور محبتیں دلوں میں آج سے کہیں زیادہ تھیں۔ لالچ اور ہوسِ زر کا اتنا دور

دورہ نہیں تھا۔ اتنی نفسانفسی تھی ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کا رواج عام تھا۔ آج جسے ترقی یافتہ دور کہا جا رہا ہے لوگوں کو پچھلے زمانوں سے کہیں زیادہ سکون اور اطمینان کی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے ہزار مادی ترقی اور ظاہری علوم کی فراوانی کے لوگوں کی خاصی تعداد معاشروں میں باطنی علوم کی متلاشی ہے اور سمجھتی ہے کہ اس کے اپنے اندر کے مسئلوں کا حل بھی اس کے اپنے باطن میں بھی کہیں ہے لیکن ان کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے باقاعدہ درسگاہیں بھی نہیں جو ان کی اس پیاس کو بجھا سکیں اور بدقسمتی سے ایسے صاحبانِ طریقت اور سچے اللہ والے لوگ بھی آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ طالبان باطنی علوم کی اس کسمپرسی سے فائدہ اُٹھانے کے لیے جھوٹے، جعلی اور شعبدے باز پیر فقیر اپنا جال بچھا کر بیٹھے ہوئے ہیں اور سیدھے سادھے لوگوں کو بیوقوف بنا بنا کر اپنے حلوے مانڈے کا دھندا چلا رہے ہیں۔ میرے ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد ۸۰-۹۰ فیصد سے کم نہیں۔ ان شعبدے بازوں نے اس پاک و صاف شعبے کو بھی بہت زیادہ بدنام کر کے رکھ دیا ہے اور عام لوگوں تک کو بدظن کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذہن میں بے پناہ صلاحیتیں اور استعداد پنہاں رکھی ہوئی ہیں۔ انسانی ذہن اس کائنات کا سب سے بڑا سپر کمپیوٹر ہے لیکن جیسا کہ نیورو سائنس کے ماہر بتاتے ہیں کہ ہم بشمول دنیا کے تمام انسان اپنے پورے ذہن کو استعمال نہیں کرتے۔ تمام انسانوں کے ذہن کا ایک مخصوص حصہ غنودگی کی حالت میں ہوتا ہے۔ ہماری ساری قابلیتیں اور ساری اہلیتیں صرف ذہن کے اس حصے سے ہیں جو استعمال میں ہے۔ اگر کسی طرح کوئی شخص ذہن کے خوابیدہ حصے کو بیدار کر لے اور اسے بھی استعمال کرنے لگے تو یقیناً اس شخص میں کچھ ایسی اہلیتیں اور صفتیں آ جائیں گی جو دوسرے انسانوں میں نہیں ہوں گی۔ ماہرینِ ذہن کے مطابق جسے فی زمانہ لوگ استعمال نہیں کر

Marfat.com

رہے ہیں اور وہ حالتِ نیند میں ہے اسے ذہن کی مخصوص مشقوں سے بیدار کیا جا سکتا ہے۔ ان مشقوں کو Concentration of mind کا نام دیا گیا ہے۔ بہت زیادہ تفصیل میں جانے کے بجائے ہم یہاں یہ بتاتے چلیں کہ ان مشقوں میں ذہن کو یکسوئی کے ساتھ کسی ایک نقطے پر، کسی ایک خیال پر، کسی ایک تصور یا شے پر اس حد تک مرتکز کرنے کی مشق کی جاتی ہے کہ مشق کرنے والا ماسوا اس کے سب کچھ بھول جائے۔ یہاں تک کہ وہ خود کو بھی بھول جائے کہ میرا نام یہ ہے۔ میرے دو ہاتھ دو آنکھیں وغیرہ ہیں۔ یہ Concentration of mind کی مشقیں جب باقاعدگی سے کچھ عرصہ کی جاتی ہیں تو ذہن میں اضافی بیداری آنے لگتی ہے۔ چھٹی حس خاصی تیز اور توانا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص دوسرے کے ذہن سے اسی طرح رابطہ کرنے کی اہلیت حاصل کر لیتا ہے جیسے جیسے ایک موبائل فون سے دوسرے موبائل فون سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ دوسروں کے ذہنوں میں موجود خیالات کو پڑھنے کی اہلیت آ جاتی ہے۔ بہت سے شعبدہ پسند مزاج لوگ ذہن کی ان مخفی اہلیتوں کو حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے اپناتے ہیں۔ یکسوئی کے لیے کوئی جنگلوں کا رخ کرتا ہے تو کوئی تنہائی میں شمع بینی تو کوئی رات کے اندھیرے میں کسی ایک خیال یا تصویر پر اپنے ذہن کو مرتکز کرنے کی مشق کر رہا ہوتا ہے۔ ذہن کی ان مشقوں کے ذریعے مخصوص صفتیں حاصل کر کے پھر یہ شعبدہ باز لوگ بستیوں کا رُخ کرتے ہیں اور سیدھے سادے لوگوں پر اپنی ان صفات کا اظہار کر کے رعب ڈالتے ہیں اور اپنے فریب کے جال میں پھانستے ہیں۔ ان صفات کے اظہار مثلاً ذہن میں موجود خیالات کو جان لینے جیسے کرتبوں سے مرعوب ہو کر لوگ ان شعبدہ بازوں کو اللہ والا سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی خدمت گزاری میں لگ جاتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ان شعبدہ باز لوگوں کا ذہن کی ان مشقوں کو کرنے کا مقصد صرف اور صرف مخصوص اہلیتوں کو حاصل کرنے اور لوگوں کو اپنے جال میں پھانسنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ صفات

Marfat.com

سچے اللہ والوں میں بھی موجود ہوتی ہیں لیکن انہوں نے Concentration of mind ایسی مشقیں کر کے ان صفات کو حاصل نہیں کیا ہوتا۔ ان لوگوں کے ذہنوں کے کسی گوشے میں یہ خواہش یا ایسی کوئی تمنا نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کی تو ہمیشہ یہ تمنا اور خواہش ہوتی ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے خوش ہو جائے۔ راضی ہو جائے۔ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو راضی اور خوش کرنے کے لیے رات کی تنہائیوں اور خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ریاضت کیا کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی عبادات اور ریاضت کی شکل Concentration of mind کی مشقوں سے Physicaly ملتی جلتی ہوتی ہیں سو ان کے اندر بھی نہ چاہتے اور نہ خواہش کرتے ہوئے بھی یہ صفتیں By product کے طور پر انہیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان صفات کا حامل ہونے کے باوجود سچے اللہ والوں اور بزرگوں سے ان صفات کا ظہور سرِ عام یا بطور تماشا دکھانے اور لوگوں پر رعب دکھانے کے انداز میں کبھی نہیں ہوتا۔ وہ تو اس طریقہ کو سخت ناپسند اور اس سے صریح گریز کرتے ہیں۔ میں یہاں یہ بات قطعی وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ان صفات کا اظہار سرِ عام رعب ڈالنے یا تماشا دکھانے کے انداز میں کر رہا ہو اور اس سے لوگوں کو یہ قائل کر رہا ہو کہ دیکھو میں کتنی بڑی پہنچی ہوئی ہستی ہوں تو ایسا شخص سو فیصد ایک شعبدے باز تو ہوسکتا ہے اللہ والا نہیں۔ اللہ والوں سے کرامتوں کا ظہور صرف بعض مخصوص حالتوں میں ہی ہوا کرتا ہے اور سرِ عام لوگوں پر اپنا رعب ڈالنے کا انداز قطعی نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف کسی بات کو سمجھانے کے لیے ہوا کرتا ہے۔ اس موقع پر ایک واقعہ یاد آ رہا ہے جس سے اس بات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ آج سے تقریباً پانچ چھ سو سال پیشتر ایران کے کسی علاقہ میں برہان نامی ایک شخص رہا کرتا تھا جسے کیمیا بنانے کا جنون تھا۔ کیمیا ایک ایسا خیالی کیمیکل تصور کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ لوہے کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ برہان اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ کیمیا بنانے میں صرف کر چکا تھا مگر اسے کامیابی نہیں

ہوئی تھی۔ اسے کسی سیانے نے سمجھایا کہ میاں برہان کیمیا کا فارمولا سادھو، سنتوں اور اللہ والوں کے پاس ہوتا ہے ان کیمیا کی کتابوں میں نہیں۔ بات برہان کے دل کو لگی اور اب اسے کسی بڑے سادھو یا اللہ والے کی تلاش ہوئی۔ اس تلاش میں وہ ہندوستان میں ایک بڑے بزرگ تک جا پہنچا اور اس نے ان کی رہائش کے باہر ڈیرے ڈال دیے۔ بزرگ جب باہر نکلتے یہ ان کے پیچھے ہو لیتا اور کوشش کرتا کہ اس دوران ان کی کوئی خدمت کر سکے۔ کافی دن گزر گئے مگر برہان نے بزرگ سے اپنی اصل خواہش کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ بزرگ تو سچے اللہ والے تھے انہوں نے بھی اسے اپنی توجہ میں لیا ہوا تھا اور جانتے تھے کہ اس پر کیمیا کا بھوت سوار ہے۔ یہ نہ تو کوئی اور بات سنے گا اور نہ مانے گا۔ ایک دن حسبِ معمول حضرت باہر آئے اور برہان ان کے پیچھے پیچھے۔ بزرگ نے برہان سے کہا برہان مٹی کا ڈھیلا تو لاؤ استنجا کرنا ہے۔ برہان نے آس پاس نظر دوڑائی اور مٹی کا ایک ڈھیلا اُٹھایا مگر وہ برہان کے ہاتھوں میں آتے ہی سونے کے ڈلے میں تبدیل ہو گیا۔ برہان نے دوسرا ڈھیلا اُٹھایا تو وہ بھی سونے کے ڈلے میں تبدیل ہو گیا۔ اس عمل میں کچھ دیر لگی تو بزرگ نے پکارا برہان کیا بات ہے مٹی کا ڈھیلا نہیں لائے۔ برہان جس مشکل میں پھنسا تھا اسے لیے ہوئے سامنے آ گیا۔ بزرگ نے نصیحت آمیز لہجے میں فرمایا ”برہان کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو چیز ایک قطرہ نجاست کو پاک نہ کر سکے تو نے اس کے لیے اپنی عمر گزار دی۔“ برہان آئے تو تھے کیمیا کا فارمولا لینے خود کیمیا بن گئے۔

Marfat.com

باطنی علوم کے حصول کے ذرائع

ہم پچھلے صفحات میں دیکھ چکے ہیں کہ باطنی علوم کا حصول تو ظاہری علوم کے حصول سے انسان کے لیے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ ظاہری علوم کا تعلق تو صرف انسان کی مادی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ جبکہ باطنی علوم انسان کی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں۔ باطنی علوم میں شریعت اور طریقت دونوں کے متعلق ہدایت ہوتی ہے۔ شریعت دین کا جسم تو طریقت اس کی روح ہے۔ ہمارے دینی مدارس تو کما حقہ شریعت سے متعلق اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں لیکن دین کے روحانی پہلو پر جتنی ہدایت میسر ہونی چاہیے اس کا شدید فقدان ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے اندر دین کو جس روح کے ساتھ موجود ہونا چاہیے اس کی بھی شدید کمی دیکھی جا سکتی ہے۔ بہر حال روحانی اور باطنی علوم کے حصول کا جو واحد دستیاب ذریعہ ہے وہ اہل اللہ کی وساطت سے ہی موجود ہے۔ اللہ والوں سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی اور آج بھی خالی نہیں ہے۔ جن لوگوں کو باطنی اور روحانی علوم کی طلب ہوتی ہے ان کے لیے ان اللہ والوں کے حلقے ہی ہیں جہاں سے اس دورِ کسمپرسی میں بھی اپنی پیاس بجھائی جا سکتی ہے۔ ظاہری علوم کے طالب کو عام طور پر جس طرح سے طالب علم یا Student وغیرہ کے اصلاحی نام سے موسوم کیا جاتا ہے اسی طرح باطنی علوم کے طلبا کو طریقت کی اصلاح میں مرید یا سالک کہا جاتا ہے اور جس طرح ظاہری علوم کے اساتذہ کو Teacher اور پروفیسر وغیرہ کے نام دیے گئے ہیں اسی طرح پیرانِ

Marfat.com

طریقت کو جو سالکین کی روحانی تربیت اور باطنی مدارج سے آگاہی کی طرف ایک استادِ کامل کی طرح قدم قدم پر رہنمائی کرتے ہیں انہیں طریقت کی اصلاح میں مرشد یا شیخ کہا جاتا ہے۔ شیخ کی صورتِ محسوسہ کو بھی برزخ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ طالب اور فیضانِ الٰہی کے درمیان ایک واسطے کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے گوش گزار کر چکے ہیں کہ فی زمانہ جعلی پیر، فقیر مرشد جا بجا کثرت سے شعبدے سجائے اپنی دکانیں لگائے بیٹھے ہیں اس لیے انتہائی ضروری ہے کہ شیخ و مرشد کے انتخاب میں بہت بصیرت اور احتیاط سے کام لیا جائے۔ اپنے دین اور ایمان کو ناقابل اعتماد اور بے بھروسہ فرد کے حوالے تو نہیں کیا جا سکتا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ جس طرح ظاہری علوم کے حصول میں اُستاد و پروفیسر کی حیثیت مسلم ہے اور بغیر استادِ کامل دنیاوی علوم کا حصول کرنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ اسی طرح روحانی کائنات اور باطنی معاملات کا سفر بھی بغیر مرشد کامل یا شیخ کے ناممکن ہی ہے، انتخابِ شیخ کی ضمن میں حضرت شاہ سیّد محمد ذوقی نے اپنی کتاب ''سر دلبراں'' میں رہنمائی کچھ یوں کی ہے۔ انتخابِ شیخ کے لیے انتخاب کنندہ کو صرف حسب ذیل امور پر نگاہ ڈال لینا کافی ہوتا ہے۔

1- ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو اور یہ دیکھے کہ جتنی دیر وہاں بیٹھا کم از کم اتنی دیر دنیا کے خطرات و وساوس اس کے قلب میں کمی کے ساتھ آئے یا نہیں۔ خدا اور اس کے رسول کے متعلق اس کے دل میں کچھ ذوق و شوق بھی پیدا ہوا۔ ان کے پاس سے اُٹھ آنے کے بعد اس کے قلب کی حالت خواہ ویسی ہی ہو گئی ہو جیسی معمولاً تھی مگر جتنی دیر وہ وہاں حاضر رہا اس قسم کا خفیف سا بھی تغیر اس نے اپنے اندر محسوس کیا یا نہیں۔

Marfat.com

2- ان بزرگ کے مریدین یا بعض مریدین کی حالت میں کوئی بہتر تغیر واقع ہوا یا نہیں۔ قبل مرید ہونے کے ان لوگوں کی کیا حالت تھی اور اس کے کچھ عرصے بعد ان میں کیسی تبدیلی واقع ہوئی۔

3- جتنی دیر ان بزرگ کی خدمت میں بیٹھا ان کی زبان سے بعض الفاظ ایسے بھی نکلے یا نہیں جو اس کے حسب حال ہوں یا جن سے اس کو ہدایت یا تسکین ہوئی ہو یا اس کی کوئی اُلجھن رفع ہوئی ہو یا کوئی عقدہ حل ہوا ہو۔ اگر ان تینوں امور میں اس کو اچھی رائے قائم کرنے کا موقع مل گیا ہو تو آنکھ بند کر کے ان بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر لے۔ بیعت کا مطلب کسی مرشدِ کامل کی رہنمائی میں اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا ہے تاکہ اس کی ہدایت کی روشنی میں معرفت کی منازل تک رسائی حاصل ہو سکے۔ اپنے مالکِ حقیقی کی رضا کے طریقوں سے آشنائی ہو سکے اور عبادت و ریاضت میں خدا کی حضوری حاصل ہو سکے۔ اپنی ذات اور اپنے نفس کی معاونت تک پہنچا جا سکے۔ عبادات کا صحیح تصور حاصل ہو۔ اپنے خالق کو دل کی آنکھ سے دیکھ سکے۔ وہ لوگ جو اپنے نفس اور خواہشات کی غلامی میں اپنی زندگی گزار رہے ہوں، جب توفیق ہو تو تائب ہو کر کسی صاحب معرفت کے دامانِ توجہ میں پناہ لے لیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اسی عمل کو بیعت کہتے ہیں۔ اس میں ادب و آداب کی تربیت ذات، نفس قلب اور روح کی تطہیر اور تہذیب اخلاق وغیرہ کی تعلیم و تربیت شامل ہوتی ہے۔

Marfat.com

بیعت کے مقاصد میں ماسوا اللہ تعالیٰ کے تمام سے تعلق کی نفی اندرونی نجاستوں سے پاکیزگی کا حصول اور طریقت کے اسرار و رموز سے آگاہی وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

سالکین اپنی بساط اور اہلیت کے مطابق اپنے شیخ سے فیوض و برکات اپنے اندر جذب کیا کرتے ہیں۔ راہِ سلوک میں نو واردان کے لیے از حد ضروری ہوتا ہے کہ ہمہ وقت شیخ سے رابطہ رکھیں۔ اپنی زندگی کو ان کے حوالے کر دیں اور ان کے ایک ایک عمل کی تقلید خود پر واجب سمجھیں۔ اس صورت میں سالک کے باطن میں شیخ کی صفات ظہور پذیر ہونے لگتی ہیں۔

مشائخ کا طریقہ ہدایت و تربیت طالب کی طبیعت سے موافقت اور اس کے لیے آسان تر راستے کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ عبادت اور ریاضت میں تشدد پسند نہیں کیا کرتے ہیں۔ بتدریج آرام اور آسانی سے سالک کو منزلِ مقصود تک پہنچا دینا ان کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔ بیعت جب پورے آداب و شرائط کے ساتھ ہو تو وہ سلسلہ بہ سلسلہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتی ہے اور خدا پر جا کر منتہی ہوتی ہے۔ راہِ طریقت میں اتباعِ شریعت کے بغیر کوئی مقام یا درجہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ طریقت روحانی شریعت کے تابع رہتے ہوئے دین کا وہ مخصوص شعبہ ہے جہاں سے اسلام کے بلند ترین درجات تک رسائی ہو سکتی ہے۔ صحیح بیعت سے ایک اطمینان خاص اور اندر کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ طالب عبادات و ریاضت کی مشقت کو مشقت نہیں محسوس کرتا بلکہ اس میں اسے ایک طرح کی طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ تزکیہ نفس، تقویٰ، اللہ سے رغبت اور حضورِ قلب حاصل ہونے کا شرف پیدا ہوتا ہے۔ قربِ الٰہی کا راستہ اس کے لیے وا ہو جاتا ہے اور الہامی کیفیات کا نزول اس کے قلب پر ہونے لگتا ہے۔ دورانِ سفر سلوک سالک کو بہت

سے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ ہر مرحلہ اُسے اس کی منزل سے قریب اور اس کے مراتب میں اضافے میں معاون و مددگار رہوتا ہے۔ مادی دنیا کی آلائشیں اس کے قلب سے دور ہوتی جاتی ہیں۔ دنیوی جاہ و منصب کی طلب ناموری اور شہرت کی خواہش، حسد، بغض و کینہ، حرص مال و زر، تعصب، عناد و نفرت وغیرہ سے اس کا باطن پاک ہونے لگتا ہے اور دل عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فقر و غنا عرفانِ ذات و رضائے خداوندی جیسی نعمتوں سے مالا مال ہونے لگتا ہے۔ اپنے شیخ کے ساتھ روحانی اور وجدانی تعلق کی وساطت سے سالک بارگاہِ محمدی تک شرفِ باریابی جیسے بلند و ارفع مقام تک پہنچ جاتا ہے اور پھر بارگاہِ خداوندی میں پہنچ کر فنائیت کے مقامات تک یکے بعد دیگرے اسے رسائی ہوتی جاتی ہے۔

مراحلِ سلوک:

یوں تو سالک کو اپنے شیخ کی معیت میں راہِ سلوک میں بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان سب کا یہاں احاطہ کرنا تو ممکن نہیں البتہ چند خاص خاص مراحل کے ذکر پر اکتفا مناسب ہے۔

1- تزکیہ: نفس کو تمام مادی اور دنیاوی آلائشوں سے پاک کرنا تاکہ اس کے اعمالِ باطنی کی راہ میں اشتغال ظاہری حجاب ہی نہ رہیں۔

2- تصفیہ: ماسوا خالق حقیقی کے تمام خیالات سے قلب کی طہارت تصفیہ کے زمرے میں آتی ہے۔ اتباعِ شریعت تصفیہ قلب کے لیے لازم ہے۔

3- تجلیہ: روح کو منزہ کرنے کا نام ہے۔

4- تخلیہ: ماسوا اللہ تعالیٰ کے سالک کے لیے کسی چیز کا باقی نہ رہنا۔

Marfat.com

5-تشبیہ: تمام اشیائے ظاہری میں ذاتِ حق تعالیٰ کو موجود پانا۔

مندرجہ بالا چند مخصوص مراحل کے ساتھ ہی ساتھ سالک کو چند اور بنیادی صفاتی مراحل تک بھی رسائی ضروری ہوتی ہے جن کا ذکر حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے۔

جنہیں شاہ صاحبؒ نے ملکاتِ چہارگانہ سے موسوم فرمایا ہے ہم انہیں ذیل میں آسانی کی خاطر یہاں اپنی زبان میں درج کرتے ہیں۔

(۱) طہارت:-

جسمانی طہارت سے تو ہر مسلمان کما حقہ واقف ہوتا ہے لہذا ہم یہاں اسکی تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ طہارت میں نہ ہونے کی صورت میں انسان اپنے اندر ایک طرح کا انقباض محسوس کرتا ہے اور سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں ایک ناخوشگوار ماحول میں ہوں۔ حالتِ طہارت میں وہ اپنے ظاہر میں شگفتگی اور اپنے باطن میں انشراح اور سرور محسوس کرتا ہے۔ میرے خیال میں طہارت ہمارے جو چھ اثاثے ہیں ان سب کی ہونی چاہئے جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں یعنی مادی جسم۔ مادی مشیر۔ مادی کائنات۔ روحانی جسم۔ روحانی مشیر۔ روحانی کائنات۔ مادی جسم کی طہارت سے تو ہم سب واقف ہیں۔ مادی مشیر یعنی نفس کی طہارت کچھ یوں ہوگی کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر مخلوق کی جو اپنی کائنات ہوتی ہے اسکے اس مخلوق کے لیئے دو حصے ہوتے ہیں ایک حصہ اسکے پیدا کرنے والے سے اس پر حلال کیا ہوتا ہے تو دوسرا حرام۔ مادی مشیر کی طہارت کے معنی یہ ہونگے کہ مادی مشیر یعنی نفس ہمیشہ مادی کائنات کے اس حصے اپنے پر اپنے مشوروں میں اصرار کرے جو حلال ہو اور ہمیشہ کائنات کے اس حصے سے دور رہنے اور اجتناب کرنے کے مشورے دیتا رہے جو پیدا کرنے والے نے اسکے لیئے حرام قرار دیا ہو۔ نفس جب تک اس مخصوص حالت میں

Marfat.com

رہے گا مطہر کہلائے گا۔

مادی کائنات کی طہارت:۔ جب انسان صرف اور صرف مادی کائنات کے اس حصہ کو اپنے لیئے منتخب کر لے جو حصہ اللہ تعالیٰ نے اس پر حلال قرار دیا ہے اور اس حصے سے جو اس پر حرام ہو اس حد تک اجتناب کرے کہ جیسے وہ وجود ہی نہیں رکھتا۔ ٹھیک اسی طرح روحانی مشیر روحانی کائنات کی بھی طہارت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

طہارت ملاء اعلیٰ (فرشتوں) کی صفتِ خاص ہے وہ ہمیشہ حالاتِ طہارت میں رہتے ہیں۔ طہارت کے وصف سے انسان کی فرشتوں سے مشابہت حاصل ہوتی ہے۔ یہ وصف انسان کے نفس میں یہ استعداد پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کی قوت کے ساتھ اپنے کمال کی انتہاء تک پہنچ جائے۔

طہارت کی ضد کو حدث کہتے ہیں۔ حالتِ حدث سے انسان کے اندر شیاطین کے گمراہ کن التعاون کو قبول کرنے کی اہلیت آجاتی ہے اور اس حالت میں بسا اوقات شیاطین یوں بھی نظر آتے ہیں گویا نظروں کے سامنے ہوں۔ ایسے انسان کے اندر سے نفسِ ناطقہ کی نورانیت زائل ہو جاتی ہے۔ طہارت انسان کی صفت بن جائے اور اس پر ملکہ حاصل ہو تو ایسے شخص میں ملائکہ کے الہامات کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات وہ ملائکہ کو اس طرح دیکھ رہا ہوتا ہے گویا وہ اسکے سامنے ہوں۔

(۲) اخبات:۔

جس شخص میں یہ صفت ہو وہ سلیم الفطرت اور فارغ القلب ہوتا ہے۔ کلامِ الٰہی پڑھ کر اور اسن کر اس کے نفس ناطقہ میں بیداری آتی ہے جسم حق سبحانہ تعالیٰ کے حضور بصد عجز جھک جاتا ہے اسکا ہر عمل اور ہر کام صرف اور صرف اپنے پیدا کرنے والے کی رضا کے لیئے ہوتا ہے۔ خواہ وہ نوکری کر رہا ہو۔ بچوں کی پرورش کر رہا ہو۔ گھر بار چلا رہا ہو یا

Marfat.com

تفریح کر رہا ہو اسے ہر بات اور ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا ہی تصرف نظر آتا ہے۔ وہ اپنے رب کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ سمجھ کر اپنی ذات اور اپنی صفات کو بھی بھول جاتا ہے۔ اخبات کی صفت رکھنے والے نفوس ہر حال میں باری تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر پورے طور سے اپنی توجہ مزکور رکھتے ہیں۔ اسکی تسبیح و تقدیس میں ہمہ تن مشغول ہوتے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ کی معرفت کے دروازے ان لوگوں پر وا ہوتے ہیں اور انہیں ذاتِ اقدس سے ایک طرح کا اتصال میسر ہوتا ہے۔

(۳) سماحت:-

سماحت کے لفظی معنی فیاضی کے ہیں یہاں یہ اس مفہوم میں لیا جاتا ہے کہ انسان کا نفس بہیمیت کے تقاضوں کو قبول ہی نہ کرے اس کو سمجھنے کے لیئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ عام زندگی میں ہم مختلف جذبوں اور کیفیتوں سے دو چار ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً مجھے خبر ملی کہ میرا اکلوتا بیٹا حادثہ کا شکار ہو گیا اور اسکی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اب میں مستقل اسکی فکر میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ جس دوست سے ملتا ہوں یہی مشورہ کرتا رہتا ہوں کہ بیٹے کا بہتر سے بہتر علاج کیسے کروں ہر وقت اسی فکر میں لگا رہتا ہوں کہ اب کیا ہوگا ایک اکیلی اولاد ہے۔ غرض صبح سے شام تک اس خیال میں رہتا ہوں ابھی اس فکر سے فارغ نہیں ہو پاتا کہ مجھے اطلاع ملتی ہے کہ میرا پانچ لاکھ کا بانڈ نکل آیا ہے اب میں اسکی خوشی میں گرفتار صبح و شام اس رقم کو کیسے خرچ کیا جائے اس منصوبہ بندی میں مشغول رہتا ہوں۔ ابھی میں اس خوشی سے فارغ نہیں ہو پاتا ہوں کہ مجھے اطلاع ملتی ہے کہ میرے بزنس پارٹنر نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ اب میں غصے میں صبح و شام مبتلا رہتا ہوں۔ الغرض ہم اپنی روز مرّہ زندگی میں اس طرح ایک کیفیت سے دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں یوں ہمیں کسی اور جانب سوچنے کی بھی مہلت نہیں ملتی لیکن جو اہلِ

Marfat.com

سماحت ہوتے ہیں وہ ان جذبوں سے کیفیتوں سے لمحوں میں فارغ ہوجاتے ہیں۔ بڑے سے بڑے غم کی خبرانہیں دیجئے وہ ایک لمحے کے لیئے متاثر تو ہوتے ہیں مگر دوسرے لمحے ہی میں اس غم سے اس طرح فارغ ہوجاتے ہیں جیسے ان پر کوئی غم پڑا ہی نہ ہو۔ یہ لوگ اس طرح سے غم ۔خوشی ۔غصہ وغیرہ کیفیتوں سے لمحوں میں فارغ ہوجاتے ہیں جس طرح مکھن میں سے بال نکل جاتا ہے اہلِ سماحت کواس دنیا سے رخصت پر اور اسکے بعد غایت درجہ کا انس اور سرور میسر ہوتا ہے۔ انسان کو جس علمی اور علمی کمال کا حصول مطلوب ہوتا ہے سماحت اس حقیقی سعادت کے لیئے وسیلہ اور موجب بن جاتی ہے۔

عدالت:۔

اس ملکۂ راسخہ کو کہتے ہیں جسکی بدولت انسان سے وہ افعال اور اعمال بلا تکلف اور از خود ظہور میں آتے ہیں جن سے نظامِ تمدن اور نظامِ قدرت کو ثبات اور استحکام حاصل ہوتا ہے۔ اہلِ عدالت کے نفوس میں اللہ تعالیٰ کا وہ ارادہ متمثل ہوتا ہے جس کا تعلق تخلیقِ عالم سے ہو۔ اس صفت کے حامل کو روحانی طور پر ان لذاتِ عالیہ سے لطف اندوز ہونا میسر ہوتا ہے جو مادی لذات سے قطعی مختلف اور بالاتر ہوتی ہیں جب کسی نفس کو عدالت کا ملکہ حاصل ہوجاتا ہے اسے ملائکہ سے مشابہت حاصل ہوجاتی ہے اور ان کا رنگ قبول کرنے اور ان کے الہامات سے فیض یاب ہونے کی استعداد حاصل ہوجایا کرتی ہے۔

مسلکِ طریقت میں فنا کا ذکر بہت کثرت اور اہمیت سے ملتا ہے۔ فنا درحقیقت ذاتِ باری تعالیٰ میں بتدریج استغراق کی کیفیت کو کہتے ہیں جس کے پہلے مرحلے میں سالک اپنے اور تمام مخلوقات کے افعال کو اللہ تعالیٰ کے افعال، دوسرے مرحلے میں تمام صفات کو صفاتِ باری تعالیٰ اور تیسرے مرحلے میں اپنی ذات کی قطعی نفی کی صورت ہوتی

Marfat.com

ہے۔ جہاں اپنی ہستی اور اللہ تعالیٰ کی ہستی دونوں کے احساسات مدغم ہو جاتے ہیں (انا الحق کی کیفیت) اور چوتھی کیفیت جسے فنا الغنا کی منزل کہتے ہیں جس میں نہ صرف اپنا بلکہ اللہ کا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ فنا کی منزلوں کے بعد بقا کی منزلیں آتی ہیں۔

تصوف:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے عہد میں اہلِ ایمان میں سب سے بلند مرتبہ اصحاب کا تھا۔ ان کا امتیازی وصف ہی یہ تھا کہ ان حضرات کو حضور کی صحبت میسر ہوئی۔ جسے حضور کی صحبت نصیب ہوئی صحابی ہوا۔ یہ لوگ اسی امتیازی نام سے جانے جاتے تھے۔ صحابہ کرام کے دور کے بعد وہ لوگ ممتاز و بلند مرتبہ پر مانے جانے لگے جنہیں صحابۂ کرام کی صحبت میسر ہوئی۔ یہ حضرات تابعی کہلائے۔ ان کے بعد تبع تابعین حضرات کا درجہ ممتاز و ممیّز مانا گیا۔ یہ وہ حضرات تھے جنہیں تابعینِ کرام کی صحبت ملی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے زمانے سے لے کر تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے تک صوفی، عارف، محدث وغیرہ کے الفاظ نہیں تھے۔ تصوف اور صوفی کا لفظ قرآن کریم میں بھی کہیں نہیں ہے۔ اسم صوفی تقریباً دوسری صدی ہجری کے اختتام سے سامنے آیا۔

تصوف کے معنی ظاہر و باطن میں اللہ کا بس جانا، بشری کدورتوں سے پاک ہونا، نفس کو حق تعالیٰ کے ارادے کے تابع کر دینے، تمام بری عادتوں کا نفس و قلب سے تخلیہ کرنا اور ہر نیک خصلت سے متصف ہونے کا نام ہے۔ دین ظاہری و باطنی خوبیوں کا مجموعہ ہے اور تصوف اس کا ایک اہم جز ہے۔ شریعت سے تصوف کا وہی تعلق ہے جو جسم سے روح کا ہوتا ہے۔ شریعت جسم ہے تو تصوف اس کی روح۔ تمام اعمال و علوم جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع میں آتے ہیں تصوف میں آتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تصوف

ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا بس جانا، نفس کو اللہ تعالیٰ کے ارادوں کے تابع کر دینے اور باطن کا یادِ الٰہی سے آباد ہونے کا نام ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے کہ تصوف اسلام سے ہٹ کر کوئی جدا شے ہے۔ تصوف سے متعلق علوم بہت وسیع ہیں۔ ان کے زمرے میں معارف، حقائق، منازل، احوال، قواعد، مناقشات، مشاہدات، مکاشفات، درجات، و مقامات جیسے عنوانات آتے ہیں جن کے تحت ذوق، صدق مقال، وجدان، روحانی پرواز، روحانی واردات، عبادت کے ثمرات تخلیہ، تجلیہ، جذب، کیف و مستی، معرفت، حکمت، وصل، تصفیہ، تزکیہ، محو و سکر، وجد تواجد، روح، فنا، بقا، فقر، تفکر، اشارہ، رمز، ایما، صفا، موجود، مفقود، معدوم، حضور، قبض، کشاد، ذات، حجاب اختیار وغیرہ تصوف کی اصلاحات کے معانی و مفاہیم سے متعلق رموز کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔ اہلِ تصوف وہ لوگ ہیں جو طریقت آشنا ہوں اور خدا کی دوستی (ولایت) کے حقدار ہوں۔

صوفیا کی اقسام

1-مستصوف:

ان ڈھونگ رچا کر گھومنے والے صوفی نما لوگوں کو کہتے ہیں جو صوفیوں کی سی صورت اختیار کر کے دنیادار لوگوں پر اپنا جھوٹا رعب ڈال کر بے وقوف بناتے ہوں اور ان کا تصوف سے حقیقی کوئی تعلق نہ ہو۔

2-متصوف:

وہ صوفی حضرات جو ابھی تصوف کے ابتدائی مراحل سے گزر رہے ہوں۔

3-صوفی:

وہ صاحبِ طریقت افراد جو تصوف کی اصل حقیقت سے وابستہ ہو چکے ہوں۔

4-ملامتیہ:

صوفیوں کی وہ قسم ہے جو ریاکاری سے از حد دور ہو اور اپنے باطنی کمالات کو پوشیدہ رکھنے کے لیے خستہ حالی اور خستہ جانی کا سہارا لیتی ہو۔

5-قلندر:

وہ صوفی جو موانعات سے مجرد ہو کر اپنے آپ کو گم کر دیں قلندر ہوتے ہیں۔

Marfat.com

سلسلہ ہائے معرفت وطریقت

اللہ تعالٰی کے دیے ہوئے دین کا پہلا رخ ظاہری ہے یعنی شریعت تو دوسرا رخ باطنی ہے جس سے مراد معرفت وطریقت ہے دینِ برحق دراصل انہی دوخوں کا اجماع واحاطہ ہے۔ معرفتِ خداوندی تک رسائی کا سب سے بہتر ذریعہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ بعدہٗ اس فریضے کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا پر رہی اور انکے بعد انکے خلفا پر رہی۔ قیامت تک یہ سلسلے جاری وساری رہینگے اور زمین اولیا اللہ (اربابِ باطن) سے کبھی خالی نہ رہے گی۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا ہے سو یہ کام خلفا کے ذریعے تا قیامت جاری رہیگا۔

مرتبے کے اعتبار سے قرآن کریم میں مقربین حق کی یہ ترتیب بیان کی گئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیقین پھر شہداء پھر صالحین۔ صدیقین میں ان کا شمار ہے جن کا ایمان تصدیقی ہوتا ہے تقلیدی نہیں یعنی خود حضور اکرم صلی اللہ کے اصحاب کرام۔ ان میں خصوصی طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جو معرفت اور روحانی سلسلے جاری ہوئے ان میں خاص طور پر سلسلہ عالیہ چشتیہ سہروردیہ۔ قادریہ وغیرہ ہیں۔ نیز حضرت علی کرم اللہ وجہ کے چار خلفا کا ذکر ملتا ہے۔ (۱) حضرت امام حسنؓ (۲) حضرت امام حسینؓ (۳) حضرت امام حسن بصریؒ (۴) حضرت امام کمیل بن زیادؒ اور ان چار خلفاء سے چودہ اہم سلسلے بعدہ سامنے آئے۔

(۱) سلسلہ زیدیہ:- حضرت عبدالواحد بن زید سے منسوب ہے۔

Marfat.com

(۲) سلسلہ ادھمیہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابراہم بن ادھم سے منسوب ہے۔

(۳) سلسلہ چشتیہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ عشاد علی دینودی سے منسوب ہے۔

(۴) سلسلہ عیاضیہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ فصیل ابن عباس سے منسوب ہے۔

(۵) سلسلہ ہبیریہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابوہبیرہ امین الدین سے شروع ہوا۔

(۶) سلسلہ طیفوریہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابویزید بسطامی سے منسوب ہے۔

(۷) سلسلہ کرخیہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ معروف کرخیؒ سے منسوب ہے۔

(۸) سلسلہ عجمیہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ حبیب عجمی سے شروع ہوا۔

(۹) سلسلہ سقطیہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ سری سقطی سے منسوب ہے۔

(۱۰) سلسلہ گاذرونیہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابواسحاق سے منسوب ہے۔

(۱۱) سلسلہ جنیدیہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ جنید بغدادی سے شروع ہوا۔

(۱۲) سلسلہ طوسیہ:- یہ سلسلہ حضرت شیخ علاوالدین طوسیؒ سے شروع ہوا۔

(۱۳) سلسلہ فردوسیہ:- اس سلسلہ کے بانی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ ہیں۔

(۱۴) سلسلہ سہروردیہ:- یہ سلسلہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی سے شروع ہوا۔

مندرجہ بالا سلسلوں کے علاوہ بارہ فروعی سلسلے بھی قابل ذکر ہیں۔

(۱) سلسلہ قادریہ غوثیہ:- یہ سلسلہ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے شروع ہوا۔

(۲) سلسلہ لیسویہ:- یہ سلسلہ شیخ احمد لیسوئی شیخ ترکستان سے منسوب ہے۔

(۳) سلسلہ نقشبندیہ:- یہ سلسلہ حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند کے نام سے منسوب ہے۔

(۴) سلسلہ شطاریہ:- یہ سلسلہ حضرت عبداللہ شطاری سے منسوب ہے۔

(۵) سلسلہ خضرویہ:- یہ سلسلہ خواجہ احمد خضروی سے منسوب ہے۔

Marfat.com

(۶) سلسلہ نوریہ:- یہ سلسلہ حضرت ابوالحسن نوریؒ سے شروع ہوا۔

(۷) سلسلہ ساداتِ کرام:- یہ سلسلہ سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے منسوب ہے۔

(۸) سلسلہ انصاریہ:- یہ سلسلہ شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاری سے شروع ہوا۔

(۹) سلسلہ زاہدیہ:- یہ سلسلہ حضرت شیخ بدرالدین زاہد سے شروع ہوا۔

(۱۰) سلسلہ ادروسیہ:- یہ سلسلہ شیخ میر سید عبدالمکی ادروسی سے شروع ہوا۔

(۱۱) سلسلہ صفوریہ:- یہ سلسلہ حضرت شیخ صفی الدین اسحاق سے منسوب ہے۔

(۱۲) سلسلہ قلندریہ:- اس سلسلہ کی ابتداء میں قلندر مشرب کے مشائخ شامل ہیں۔جن میں قابل ذکر شاہ حیدر قلندر۔شاہ حسین بلخی۔شاہ شمس تبریزی شیخ محمد قلندر۔شیخ فخرالدین عراقی اور خواجہ حافظ شیرازی وغیرہ ہیں۔

Marfat.com

روحانی کائنات

کائناتِ کل کا وہ حصہ جو ہماری اس دُنیا کے علاوہ ہے اسے صاحبانِ علم و اہل معرفت مختلف ناموں سے موسوم کرتے چلے آئے ہیں۔ کسی نے اسے آسٹرل ورلڈ، کسی نے کاسمک ورلڈ، کسی نے دنیائے اثیر تو کسی نے اسے عالم مثال کہا۔ جسمِ کثیف تو موت سے ہمکنار ہوتا ہے مگر ہماری روح اپنے جسمِ لطیف کے ساتھ اپنی اُخروی حیات کی منزلوں کی جانب رواں ہو جاتی ہے۔ جس طرح اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم شکم مادر میں ایک برزخ سے گزرے اسی طرح اس دنیا سے رُخصت ہونے کے بعد پھر ایک عالمِ برزخ سے گزرنا ہوگا جو ہماری دنیاوی زندگی اور اُخروی حیات کے درمیان ہے۔ بروزِ محشر اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے سے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ایک نئی زندگی جیسی اللہ تعالیٰ ہمیں دینا چاہے گا اور جہاں دینا چاہے گا ملے گی۔ ہماری یہ نئی زندگی (حیاتِ اُخروی) کائناتِ کل کے اس حصہ میں ہو سکتی ہے جو اس دنیا سے کہیں زیادہ پرلطف آرام دہ، پرسکون و پرآرائش ہوگی یا پھر ہمیں کائناتِ کل کے اس حصہ میں بھی ڈالا جا سکتا ہے جو اس دنیا سے کہیں زیادہ تکلیف دہ اور عذابوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ جو بھی ہونا ہوگا یومِ جزا و سزا پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے موجب ہوگا۔

روحانی کائنات کے طبقات

کائناتِ کل جو اس مادی کائنات سے ماورا ہے جس میں دیگر مخلوقات جن و ملائکہ

Marfat.com

وغیرہ ہیں اور اس دنیا سے انتقال کے بعد انسانوں نے بھی رہنا ہے۔ اہلِ معرفت اس کے کئی طبقات کا ذکر کرتے ہیں۔ کہیں اس کے چار کہیں سات اور کہیں اس کے ۱۷ طبقات کا ذکر ملتا ہے۔ اہلِ تصوف زیادہ تر چار طبقات کا ذکر کرتے ہیں:

1-عالمِ ناسوت:

زمین اور اس مادی کائنات کے قریب تر اس کا محل وقوع ہے۔ یہاں گنہگار، بھٹکی ہوئی اور باغی ارواح تکلیف دہ اور اضطرابی حالت میں رہتی ہیں۔ زمین سے نزدیک اس عالم کا محل وقوع ہونے کی وجہ سے یہ ارواح تھوڑا بہت اہل زمین کے رابطے میں بھی آ سکتی ہیں۔ یہاں ارواح کو اپنے گناہوں کے حساب سے عرصہ دراز تک یہاں رکھا جاتا ہے۔

2-عالمِ جبروت:

نہ بہت زیادہ گنہگار، نہ بہت زیادہ نیک ارواح کو یہاں رہنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے سے عالم ناسوت کی وہ ارواح بھی یہاں منتقل کر دی جاتی ہیں جو اپنے گناہوں کی سزا پوری کر چکی ہوتی ہیں۔ عالمِ ناسوت میں اس وقت تک رکھا جاتا ہے جب تک جسمِ لطیف کے وہ زخم جو گناہوں کا نتیجہ تھا صاف نہیں ہو جاتا۔

3-عالمِ ملکوت:

انبیاء اور صالحین کا مقام ہے

4-عالمِ لاہوت:

جہاں اللہ تعالیٰ کا تخت بچھا ہوا ہے۔ یعنی عرشِ معلیٰ ہے۔

Marfat.com

قیدِ کثیف سے فرار

انسان کا نفسِ ناطقہ بدنِ کثیف میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم سے ایک طرح کی قید میں ہے۔ اس قید میں وہ ایک طرح کی بے چینی، بے اطمینانی اور اضطراب کا شکار رہا کرتا ہے۔ ذرا مہلت ملے تو اس قیدِ کثیف سے فرار کا متمنی ہوتا ہے۔ وہ اپنی اصلی مرکز کی طرف ہمیشہ رجحان رکھتا ہے لیکن اگر دنیاوی لذتوں اور خواہشات میں مبتلا ہو جائے اور مادہ پرستوں کے درمیان اپنے شب و روز گزارنے میں اسے سکون سا ملے اور انہیں کو وہ اپنا سچا دوست سمجھنے لگے تو وہ عارضی طور پر اپنے اصل وطن کو بھول جاتا ہے اور اپنی اصل حقیقت اور اصل حیات سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اس کے حواسِ خمسہ کی گوناگوں ہدایات اس کے اور اس کے وطن اصلی کے درمیان حجاب بن جایا کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر انسان کا نفس مادی کثافتوں میں نہ گھرا ہوا ہو۔ نفسانی خواہشات و لذتیں غالب آ کر اسے شہوت پر مائل کرنے سے قاصر ہوں۔ مادہ پرستوں کی ہم نشینی میں اسے کوئی رغبت نہ ملے اور ان کی راہ سے اجتناب کی راہ کو اس نے اپنے لیے بہتر جانا ہو تو اس کا اپنے اصلی وطن سے تعلق مضبوطی سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ اس جہان کی خبروں کا وہ متمنی رہتا ہے۔ روحانی معاملات سے باخبر رہنے کے ذرائع کی تلاش میں ہمہ وقت سرگرداں رہتا ہے اور اپنے اس تعلق کو دائمی طور پر قائم رکھنے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ اس سفر کی ابتدا میں چونکہ حواسِ خمسہ جو مادی دنیا سے رابطے کا ذریعہ ہوتے ہیں وہ ان کی راہ میں ایک حجاب کا کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ سو عالمِ بالا سے ان کا رابطہ حالت رویا میں

Marfat.com

(جب حواسِ خمسہ کا غلبہ کمزور ہوتا ہے) قائم ہوا کرتا ہے اور رویائے صادقہ نظر آنے لگتے ہیں اور جیسے جیسے جسم و روح، نفس پاکیزگی کی منزلوں کی جانب آگے بڑھتے جاتے ہیں عالم بالا سے انسان کا تعلق عالم بیداری کی جانب ہوتا جاتا ہے۔ اس حال میں انسان کے سامنے تمام مادی ترقیاں، مراتب اور ترجیحات جو خالصتاً دنیا سے تعلق رکھتی ہوں ضمنی اور غیر اہم ہو جاتی ہیں اور روحانی مدارج و مراتب اس کے لیے ترجیحی حیثیت اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ ترقی میں اس کے اپنے اندر ایک نور روشن ہو جاتا ہے جس کی بدولت وہ بدن کی حرکات و سکنات سے ماورا ہو کر عالم بالا میں تصرف کرنے لگتا ہے اور ان معاملات تک اسے رسائی حاصل ہو جاتی ہے جو زمان و مکان کی قیود سے ماورا ہیں۔ اسے مادی کثافتوں کی قید سے آزادی میسر آ جاتی ہے۔ اس مادی دنیا میں جو شخص بہت زیادہ غور و خوض اور تجربے و مشاہدے کی ریاضت سے گزرتا ہے تو فطرت کا اصول حرکت میں آتا ہے اور فطرت اسے اس کی اپنی منتخب کردہ دنیاوی زندگی میں تجربے اور مشاہدے کی ریاضت کے عوض مادی کرامتوں سے نوازتی چلی جاتی ہے۔ وہ ٹیلیفون بنا لیتا ہے جو ایک مادی کرامت ہی تو ہے کہ بیٹھا تو کراچی میں ہے مگر لندن یا نیویارک میں موجود اپنے کسی دوست سے باتیں کر رہا ہے یا ٹیلی وژن بنا لیتا ہے جو ایک مادی کرامت ہی تو ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے آسٹریلیا میں ہونے والے کرکٹ میچ کو Live دیکھ رہا ہے۔ الغرض مادی کائنات میں تجربے اور مشاہدے کی ریاضت کرنے والوں کو فطرت مادی کائنات میں بلند درجے دیتی جاتی ہے۔ کوئی نیوٹن بن جاتا ہے تو کوئی آئن سٹائن تو کوئی ڈاکٹر عبدالقدیر خان۔ بالکل اسی طرح اور اسی اصول پر جو لوگ روحانی کائنات میں تجربے اور مشاہدے کی ریاضت سے گزرتے ہیں تو خالق کائنات انہیں بھی ان کی منتخب کردہ روحانی کائنات میں بلند درجات پر فائز کرتا چلا جاتا ہے اور فطرت انہیں بھی روحانی کرامات سے نوازتی چلی جاتی ہے کہ بیٹھا تو اپنے گھر میں ہو گا مگر یہ بتا رہا ہو گا کہ

Marfat.com

تمہارے گھر میں جو دال کی ہنڈیا پک رہی ہے اس میں نمک کم ہے یا تم اس وقت کسی ذہنی سوچ یا اُلجھن میں مبتلا ہو یا تمہارے ماضی کے اعمال نے تمہیں کس کردار میں ڈھال دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دنیا میں ساری قابلیتیں اور اہلیتیں خواہ وہ مادی ہوں یا روحانی بیشتر ذہن کی وساطت اور واسطے ہی سے ملتی ہیں۔ انسان کا دماغ اس کائنات کا سب سے زیادہ فعال اور ترقی یافتہ سپر کمپیوٹر جو انسانوں کے بنائے ہوئے اچھے سے اچھے کمپیوٹر سے ہزار ہا درجہ مستعد ہے۔ انسانی ذہن کے کمپیوٹر میں بھی اس کی اپنی ہارڈ ڈسک اور پروسیسر ہوتا ہے۔ اس کی ہارڈ ڈسک میں تقدیر، ماضی حال حتیٰ کہ مستقبل کی بھی معلومات، فطرت قوانین (اور بہت کچھ) کا مکمل ریکارڈ درج ہوتا ہے۔ عام کمپیوٹر کی طرح اس کے پروسیسر میں یادداشتیں، ارادے، منصوبے نیتیں وغیرہ درج ہوتی رہتی ہیں اور بدلتی رہتی ہیں ان میں تبدیلی انسان کے اختیار میں ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنے ذہن کے کمپیوٹر پر کلی اختیار نہیں رکھتا۔ ہارڈ ڈسک میں کسی قسم کی تبدیلی عام انسانوں کے بس میں نہیں ہوتی۔ عام لوگ اپنے پورے ذہن کو بھی استعمال نہیں کرتے۔ خواہ انہوں نے مادی کائنات میں کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرلی ہو ان کے ذہن کا کچھ حصہ غیر فعال ہی ہوتا ہے۔ اگر ذہن کے اس حصہ کو بھی کسی صورت بیدار کرلیا جائے تو کچھ ایسی اہلیتیں اور قابلیتیں انسان کو حاصل ہو جاتی ہیں جو دیگر انسانوں میں نہیں پائی جاتیں۔ جو لوگ روحانی تجربات اور مشاہدات کے ماہر ہوتے ہیں جنہیں ہم اللہ والے کہتے ہیں جو روحانی دنیا میں بلند درجات پر ہوتے ہیں ان کے اندر یہ روحانی طاقتیں بیدار ہوتی ہیں۔ ان کو اپنے ذہن کے اس حصے کو جسے سمجھانے کی غرض سے میں ہارڈ ڈسک کا نام دے رہا ہوں اس پر بھی رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنی ہارڈ ڈسک میں رد و بدل پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنی ہارڈ ڈسک کے ذریعے دوسرے انسانوں کی ہارڈ ڈسک تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اور اس میں بھی رد و بدل پر قادر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دوسرے انسانوں

Marfat.com

کے ذہنی کمپیوٹر سے رابطہ کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک موبائل فون سے دوسرے موبائل فون کا رابطہ ہوا کرتا ہے خواہ دوسرا شخص ان سے کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہو۔ یہ لوگ اپنے ذہن سے دوسروں کے ذہن تک تبادلہ معلومات وخیالات کا کام بھی کر لیتے ہیں۔ اپنے ذہن کے کمپیوٹر پر مکمل دسترس رکھنے والے لوگ عام انسانوں کے ذہن سے جو معلومات جب چاہیں لے سکتے ہیں اور انہیں ہدایت دے سکتے ہیں۔

یہ لوگ صاحبِ عرفان ذات، صاحبِ مشاہدہ، صاحبِ حال، صاحبِ نظر اور صاحبِ حقیقت ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے جسمِ لطیف یعنی روحانی جسم سے فعالیت میں اسی طرح قدرت رکھتے ہیں جس طرح عام لوگ اپنے مادی جسم سے افعال کی انجام دہی پر قادر ہوتے ہیں۔ ان صاحبانِ معرفت کا میڈیا ہی الگ ہوتا ہے جس کے ذریعے یہ حد نظر سے پرے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ماضی کی خبر رکھتے ہیں اور کچھ مستقبل پر بھی ان کی نظر ہوتی ہے۔ یہ لوگ آسمانوں کی بیکراں وسعتوں کو ایک جہت میں طے کر سکتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بشری اور ملکوتی دونوں صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ انہیں ان دونوں صفات پر ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ انہیں قربِ الٰہی میسر ہوتا ہے۔ وہ نائب حق ایسے بلند مرتبے پر ہوتے ہیں جہاں انہیں کائنات پر تصرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ فنا کی منزلوں سے بقا کی منزلوں تک فائز ہوتے ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ان پر اپنے اسماء وصفات ظاہر فرما دیتا ہے۔ عشقِ الٰہی اور معرفت کی مستی میں انہیں ہر جگہ بس خدا کا جمال و جلال نظر آتا ہے۔ ان اللہ والوں سے کوئی زمانہ کبھی خالی نہیں رہا اور نہ رہے گا۔

ہم یہ نہیں کہتے

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم میں سے ہر وہ شخص جو مادی اور سائنسی علوم کے حصول میں منہمک ہو وہ ضرور بقراط، نیوٹن، آئن سٹائن یا ڈاکٹر عبدالقدیر خان بن جائے۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ہی ہمارا یہ اصرار ہے۔ روحانی اور باطنی علوم حاصل کر کے ہر فرد قطب اور ولی اللہ بن جائے ایسا بھی قطعی ناممکن ہے لیکن ہم اس مطالبے میں تو حق بجانب ہوں گے کہ ہمیں اپنے دنیوی اور دینی معاملات کی حقیقت کا صحیح ادراک تو ہونا چاہیے۔ اس کے لیے کم از کم جتنا دینی اور سائنسی علم حاصل کرنے کی ضرورت ہو اتنا تو ضرور حاصل کریں۔ یہ تو ممکن ہے۔ ہمارے پیدا کرنے والے نے جو راستہ ہمارے لیے طے کر دیا ہے جس حد تک ممکن ہو اس راستے کو اختیار کریں۔ قرآنِ کریم کو اپنا ضابطہ حیات بنا لیں۔ شیطان کی پیروی میں بے حقیقت سرابوں کے پیچھے تو آنکھ بند کر کے نہ بھاگیں۔ شیطان کا مقصد تو سوائے گمراہ کرنے کے اور کچھ نہیں۔ اتنا کچھ کرنا تو ممکن ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمیں اپنی ترجیحات کا صحیح تعین کرنا چاہیے۔ اس معاملے میں کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں پڑے بغیر واضح طور پر اپنی زندگی کے اوّلین مقصد کو طے کر کے اپنی تمام کوششوں اور کاوشوں کو اس کے حصول کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔ مادی چکا چوند اور نفسانی خواہشات کے جھمیلوں میں گرفتار ہونے کے بجائے دنیا کی زندگی کو آخرت کے حوالے سے برتنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اپنے خالق و مالک کی اطاعت و فرمانبرداری ہی انسان کا اوّلین مقصد حیات ہونا چاہیے تاکہ بعد کی زندگی میں اس کی

Marfat.com

عنایتوں، کرم اور نوازشوں کے طلبگاروں میں شامل ہوسکیں۔ ہماری زندگیوں کا صرف اور صرف یہی مقصد ہمارے پروردگار کی طرف سے طے ہے لیکن اس ضمن میں جب آپ مقصدِ حیات کے حوالے سے انسانوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو معاملات خاصے برعکس ہیں۔ لوگ سوچ اور فکر کی بے حساب بھول بھلیوں میں پھنسے ہوئے ملتے ہیں۔ بعض حضرات کو میں نے یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہماری زندگی کا کوئی ایک مقصد طے کر دیا ہو۔ ہمارا کوئی ایک ہی مقصدِ حیات ہونا ضروری تو نہیں۔ ہم اپنے تئیں اپنی زندگی کا جو چاہیں وہ مقصد طے کر کے ایک بھرپور زندگی گزار سکتے ہیں۔ تو بھائی سچی اور کھری بات تو یہ ہے کہ اس سوچ پر ماسوا افسوس کرنے کے اور کیا ہی کیا جا سکتا ہے۔ یہاں اب یہ ضروری محسوس ہو رہا ہے کہ تھوڑی سی گفتگو اس موضوع پر بھی اگر کر لی جائے تو بہتر ہوگا۔ دیکھئے اس دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ان پر تین دور (Period) گزرتے ہیں۔ پہلا دور Erection Period ہوتا ہے۔ یہ وہ دور ہوتا ہے جب وہ چیز بن رہی ہوتی ہے اس کے کل پرزے بنائے اور لگائے جا رہے ہوتے ہیں۔ یہ دور اس چیز کے بننے کا زمانہ ہوتا ہے۔ جب وہ چیز مکمل طور پر بن جاتی ہے تو Erection Period ختم ہو جاتا ہے اور پھر اس پر دوسرا دور آتا ہے جسے Production Period کہتے ہیں۔ اس دور میں اس چیز کو جو اب مکمل طور پر بن چکی ہوتی ہے اسے اب اس مقصد کی ادائیگی کرنا ہوتی ہے جس مقصد کے لیے اس کے بنانے والے نے اسے بنایا ہوتا ہے۔

لازم ہے کہ صرف اس مقصد کی ادائیگی کی جائے جو اس کے بنانے والے نے اسے بناتے وقت طے کیا ہوتا ہے۔ تب ہی وہ Production میں کہلائے گی وگرنہ نہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتی یعنی جو مقصد اس کے بنانے والے نے اس کے لیے طے کیا

Marfat.com

ہوا ہے اس کی ادائیگی کرنے کے بجائے کسی اور کام میں لگ جائے تو اس کا معاملہ اس کے حق میں بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ اس بات کو ایک چھوٹی سی مثال سے بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک ٹیوب لائٹ کو اس کے بنانے والے نے روشنی دینے کے لیے بنایا (روشنی دینا اب اس کا مقصد ہوگا جو اس کے بنانے والے نے اسے بناتے وقت ہی طے کر دیا ہے) اب اگر بن چکنے کے بعد وہ ٹیوب لائٹ روشنی نہ دے تو اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہوگا جس جگہ پر وہ لگی ہوگی اس کا بوجھ ہو جائے گی۔ اس کا اپنا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔

Production Period کا بھی ایک دور ہوتا ہے جس کے اختتام پر بھی اس چیز پر تیسرا دور آتا ہے جسے Destruction Period کہتے ہیں اس زمانے میں وہ چیز رفتہ رفتہ اپنی تباہی کی جانب چل پڑتی ہے اور بالآخر تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ تینوں ادوار جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اس دنیا میں ہر چیز پر خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔ ہم بھی تو اس دنیا میں ایک زندہ نفس ہیں۔ اصولی طور پر ہم پر بھی یہ تینوں دور اس دنیا میں گزرتے ہیں۔ ہم پر بھی لازم ہے کہ جب اپنا Erection Period مکمل کر چکیں یعنی ہمارے اعضا و جوارح اپنی پوری ساخت اور توانائی حاصل کر لیں یعنی ہم اپنے سنِ بلوغ کو پہنچ جائیں تو ہم پر بھی لازم ہے کہ اب پروڈکشن دیں یعنی صرف اور صرف اس مقصد کی ادائیگی میں لگ جائیں جو ہمارے پیدا کرنے والے نے ہمارے لیے طے کیا ہوا ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ہمارا معاملہ بھی ہمارے حق میں خطرناک ہو جائے گا۔ ہمارا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ ہم جس زمین پر ہوں گے اس کا بوجھ بن جائیں گے۔

اب آیئے اس بات پر جو بلا سوچے سمجھے ہوئے کہی گئی کہ ''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہمارا پہلے سے کوئی مقصد ہی طے نہ کیا ہوا اور ہم اپنے طور پر

Marfat.com

اپنا کوئی مقصدِ حیات طے کر کے ایک بھرپور زندگی گزار لیں'' تو چلیے میں آپ کو پوری آزادی دیتا ہوں کہ اس ساری کائنات میں گھوم جائیں اور کہیں سے ایک ذرہ ہی خواہ وہ غلاظت کا ہی ذرہ کیوں نہ ہو اس دعوے کے ساتھ پیش کر دیں تو یہ اس کائنات میں بے مقصد ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ جب آپ اس پوری کائنات میں سے ایک ذرہ بھی اس دعوے کے ساتھ پیش نہیں کر سکتے کہ یہ اس کائنات میں بے مقصد ہے تو آپ کے اتنے بڑے وجود کو بے مقصد کیسے مان لیا جائے۔ یقیناً انسان کا اس دنیا میں کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے۔

ایک دوسرے زاویے سے بھی دیکھئے کہ جو جگہ رہنے کی ہوتی ہے وہاں سے واپسی کیا معنی...... اگر آپ کو کسی دوسرے شہر میں چار دن کے لیے بھیجا جائے اور حکم یہ بھی ہو کہ چار دن کے بعد واپس آنا ہے تو یہ بات بین السطور طے ہے کہ چار دن کے بعد واپس آنا ہے یہ بات بین السطور طے ہے کہ وہاں آپ کو کسی کام سے بھیجا جا رہا ہے۔ مستقل قیام کے لیے نہیں۔ اگر اس دنیا سے تمہاری واپسی طے ہے تو یہ بات بھی طے ہے کہ یہ دنیا تمہارے مستقل قیام کے لیے نہیں بلکہ یہاں تمہیں کسی کام سے کسی مقصد سے بھیجا گیا ہے۔

ایک تیسری جہت سے بھی اس معاملے کو دیکھئے۔ ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی دیگر مخلوقات بھی اپنی زندگیاں گزار رہی ہیں جن میں جمادات ہیں، نباتات ہیں اور حیوانات وحشرات الارض ہیں۔ ان سب کی بھی اپنی اپنی زندگیاں ہیں۔ نباتات کو ہی لے لیجیے اور دیکھئے کہ ایک درخت کو اپنی حیات میں قائم رہنے کے لیے اس کی بنیادی ضرورتیں کہاں سے پوری ہو رہی ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک درخت کو اپنی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اسے خود کچھ بھی نہیں کرنا ہوتا اس کی ہر ضرورت جہاں وہ موجود ہے از خود اس تک پہنچ رہی ہیں۔ اسے ان کے لیے خود کوئی

Marfat.com

تگ و دو نہیں کرنی پڑی۔ دوسرے معنوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دنیا کا نظام ایک درخت کے لیے مکمل خودکار (Automatic System) نظام ہے جہاں اس کی ہر ضرورت ازخود اس تک پہنچ رہی ہے۔ اب آیئے اپنی جانب تو ہمارا معاملہ کچھ مختلف ہے۔ ہمیں اپنی ہر ضرورت کے لیے آدھا کام خود انجام دینا ہوتا ہے اور آدھا کام فطرت انجام دیتی ہے۔ مثلاً چلنا ہے سو اس کے لیے ہمیں قدم خود آگے بڑھانا ہے اور پھر زمین کو پیچھے کی جانب Push کرنا ہوتا ہے۔ اتنا کام ہمیں خود کرنا ہوتا ہے کریں گے تو چل سکیں گے ورنہ نہیں اور جونہی ہم زمین کو پیچھے کی جانب Push کرتے ہیں ردِعمل کی قوت ہمیں آگے بڑھا دیتی ہے۔ اگر یہ ردِعمل کی قوت کام نہ کر رہی ہو تو ہم لاکھ زمین پر پیر مارتے رہیں ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ غذا کے معاملے کو ہی لے لیجیے۔ دانا ہمیں زمین میں خود بونا ہوتا ہے سینچنا اور اس کی نگہداشت خود کرنی ہے۔ توڑنا ہے، پیسنا اور پکانا ہے۔ نوالہ منہ تک خود لے جانا ہے، چبانا ہے اور نگلنا ہے۔ اتنا کام ہمیں خود کرنا ہوتا ہے پھر جہاں ہم نے نوالہ حلق سے نیچے اُتارا فطرت کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ اسے کہاں جانا ہے اور اس کے ساتھ کیا کچھ ہونا یہ ہم نہیں کرتے بلکہ فطرت انجام دیتی ہے۔ یوں آپ نے دیکھا آدھا کام ہم نے انجام دیا اور آدھا فطرت نے۔ انسان کے لیے یہ دنیا کا نظام آدھا خودکار (Semi Automatic) ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان درختوں اور پودوں کے لیے تو یہ دنیا کا نظام مکمل Automatic اور انسان کے لیے Semi Automatic جبکہ ہم سب کا خالق ایک ہی ہے جو بہت مہربان اور بہت انصاف کرنے والا ہے۔ سو یہ بات یقینی ہے کہ جس طرح اس نے ان درختوں اور پودوں کو ایک مکمل آٹومیٹک دنیا دی ہے۔ جہاں ان کی ہر ضرورت خود پوری ہو رہی ہے۔ ہمارا خالق ایسی ہی ایک مکمل Automatic دنیا ہمیں بھی دے گا جہاں انسان کی ہر

ضرورت خود پوری ہوگی اور ہمیں وہاں جانا ہے لیکن یہ کہیں جانے کا جو معاملہ ہوتا ہے وہ آسان نہیں ہوتا۔ ہر سفر کی کچھ شرائط ہوتی ہیں جنہیں اس سفر کے لیے پوری کرنا لازم ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کو پڑوس کے کسی ملک ہی جانا ہو تو اُٹھ کر چل نہیں پڑتے بلکہ پاسپورٹ پھر ویزا لینا ہوتا ہے اور پاسپورٹ اس وقت دیا جاتا ہے جب پولیس انکوائری میں یہ بات طے ہو جائے کہ جانے والا شریف آدمی ہے۔ دوسرے ملک میں جا کر تخریب نہیں کرے گا یا اپنے ملک کا نام بدنام کرنے کا باعث نہیں بنے گا۔

وہ دنیا جو انسان کے لیے Total Automatic ہوگی اس کا ہر نظام بہت نازک ہوگا۔ وہاں رہنے والے بہت شریف نفس ہونے چاہئیں۔ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے تو وہاں بگاڑ کا سبب بنیں گے۔ لہٰذا تمام انسانوں کو ایک چھوٹی سی جگہ دی گئی اور تھوڑا سا وقت دیا گیا۔ دو پولیس والے ان کے کاندھوں پر بٹھا دیے گئے کہ یہ شخص دنیا میں جو کچھ کرے سب لکھ لیں تاکہ فیصلے والے دن اس ریکارڈ کے تحت یہ طے کیا جائے کہ اس شخص کو کس عالم میں بھیجا جائے (یہ تمام باتیں میں نے اس انداز سے صرف بات کو آسانی سے سمجھنے کے لیے کی ہیں) ہم سب اس دنیا میں مستقل رہنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ بلکہ یہاں ہمارا مقصد اپنے آپ کو یہ ثابت کرنے کے لیے ہے کہ ہم شریف النفس ہیں۔ اس ساری گفتگو سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے کہ ہم اس دنیا میں کسی مقصد کی ادائیگی کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ سو یہ بات تو اب طے ہوئی کہ ہمارا اس دنیا میں کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ اس مقصد کا علم ہونا ہمارے لیے از حد ضروری ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مقصدِ حیات کی ادائیگی کے بغیر ہمارا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ ہم جہاں ہوں گے وہاں کا بوجھ ہوں گے۔ مقصدِ حیات کی فکر ہمیں نہ ہو تو عین ممکن ہے کہ ہمیں اس کے تحت جانا کہیں ہو اور ہم جا کہیں اور رہے ہوں۔ سوچنا کچھ ہو اور ہم سوچ کچھ اور رہے

Marfat.com

ہوں۔ دیکھنا کچھ ہو اور ہم دیکھ کسی اور جانب رہے ہوں۔ کھانا کچھ ہو اور ہم کھا کچھ اور رہے ہوں۔ الغرض مقصد حیات کے علم کے بغیر ہمارا کھانا پینا، چلنا، سوچنا دیکھنا سب ضائع ہوسکتا ہے۔ اس کا علم ہونا غذا سے زیادہ ضروری ہے، پانی سے زیادہ ضروری ہے۔ آخر کون بتائے گا۔ ظاہر ہے انسان اپنی عقل پر بہت زیادہ بھروسا کرتا ہے کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اپنی عقل سے ہی پوچھتا ہے اور جیسا اس کی سمجھ اور عقل کہتی ہے اسی پر عمل کرتا ہے تو آیئے عقل سے پوچھا جائے کہ آخر اس دنیا میں ہمارا مقصد کیا ہے۔ تو شاید آپ تعجب نہ کریں کہ دنیا میں جتنے لوگ اپنے آپ کو ذہین سمجھتے ہیں اور دنیا بھی مانتی ہے کہ وہ ذہین ہیں جنہیں فلسفی کہا جاتا ہے وہ خواہ کسی زمانے کے ہوں دنیا میں ان کا تعلق کسی علاقے سے ہو جب آپ انہیں پڑھیں گے تو ہر فلسفی کہیں نہ کہیں اس سوال کا جواب دیتا ہوا آپ کو ضرور ملے گا کہ انسان کا اس دنیا میں مقصد کیا ہے؟ کیونکہ یہ سوال انسان کے لیے سب سے اہم سوال ہے بلکہ زندگی اور موت کا سوال ہے تو آیئے دیکھتے ہیں کہ اس معاملے میں دنیا کے ذہین لوگ کیا جواب دیتے ہیں (طوالت سے بچنے کے لیے چند مثالوں پر ہی غور کرتے ہیں) کوئی فلسفی اپنے علاوہ دوسروں کی خدمت کرنے کو مقصد حیات بتلاتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی خدمت کر کے ایک بہتر معاشرہ تخلیق کر سکتے ہیں۔ دوسرا فلسفی کہتا ہوا ملتا ہے کہ میں نے اس مسئلے پر بہت سوچا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انسان کا اس دنیا میں مقصد یہ ہے کہ جس کائنات میں اسے پیدا کیا گیا ہے اسے جانے بوجھے سمجھے یعنی تسخیر کائنات بعض کے نزدیک انسان کا مقصد ہے۔ تیسرا آپ کو یہ کہتا ہوا ملے گا کہ نہیں میرے حساب سے سائنسی تحقیق اور جستجو سے انسانوں کی زندگیوں کو سہل بنانا اور آسانیاں فراہم کرنا مقصد حیات ہونا چاہیے۔ چوتھا آپ کو یہ کہتا ہوا ملے گا کہ نہیں بھائی بہت سوچ و بچار کے بعد میں اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ انسان کی زندگی کا

اوّلین مقصد یہ ہے کہ وہ اس دنیا کو ویران نہ ہونے دے یعنی اپنے جانے سے پہلے اپنے جیسا کوئی چھوڑ کر جائے یعنی اولاد پیدا کرنا بھی انسان کی زندگی کا مقصد بتلایا جاتا ہے۔ پانچواں فلسفی یہ کہتا ہوا ملے گا کہ یہ سب کچھ نہیں بس اپنے پیدا کرنے والے کو راضی کرلو یہی تمہارا مقصدِ حیات ہے۔ آپ نے دیکھا یہ سب کچھ کون لوگ کہہ رہے ہیں۔ دنیا مانتی ہے کہ یہ ذہین لوگ ہیں حادثہ دیکھئے کہ آج تک ہمارے ذہین لوگ ایک بات پر متفق نہیں ہو سکے ہیں کہ انسان کا اوّلین مقصدِ حیات کیا ہے۔ ہمیں توقع تھی کہ ہمیں اپنے اس سوال کا جواب عقل سے مل جائے گا لیکن ہمارے ذہین لوگ ایک فیصلے پر اگر نہیں پہنچ پا رہے ہیں ایسا لگتا ہے کہ شاید اس سوال کا جواب دینا انسان کی عقل کی دسترس سے باہر کی بات ہے۔ اگر اس سوال کا جواب دینا انسان کی عقل کی دسترس میں ہوتا تو ہماری ناقص عقل نہ سہی ہمارے ذہین لوگ تو ایک فیصلے پر پہنچ جاتے۔

تو کیا ایسے معاملات و سوالات بھی ہوتے ہیں جن تک انسان کی عقل کی رسائی نہیں ہوتی۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے اگر ہم قرآنِ کریم سے رجوع کرلیں تو بہتر ہوگا۔

ھو الذی خلق فسویٰ والذی قدر فھدی۔ وہ (ذاتِ حق تعالیٰ) پہلے کسی چیز کو خلق کیا۔ تناسب قائم کیا جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔

ہم اگر اپنے آپ کو دیکھیں تو ہم سب کو عہدِ میثاق کے دن روحانی طور پر خلق ہو چکے تھے۔ جب اس نے تمام روحوں سے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب ہوں تو سب نے جواب دیا تھا ''ہاں''۔ وہ پہلے خلق کرتا ہے (فسویٰ) پھر وہ اسے ایک توازن دیتا ہے۔ ایک جسم دیتا ہے تسویہ کی منزل سے ہم شکمِ مادر میں گزرے۔ والذی قدر پھر وہ اس کی تقدیر متعین کرتا ہے یعنی یہ جو خلق کیا گیا ہے اور جسے یہ جسم دیا گیا وہ کیا کچھ ہوگا (اپنی تمام Possibilities اور تمام Probabilities میں) یہ بھی خالق ہی طے کرتا

Marfat.com

ہے۔ اسے تقدیر متعین کرنا کہتے ہیں۔ فھدیٰ پھر وہ اسے ہدایت کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ خالق جب کسی کو پیدا کرتا ہے تو پیدائش سے لے کر اپنے ارتقا کی آخری منزل تک پہنچنے کے لیے جو علم اسے درکار ہوتا ہے جو Knowledge اسے چاہیے ہوتی ہے وہ خالق ہی دیتا ہے اور اس علم کے دینے کو اس Knowledge کے دینے کو ہدایت دینا کہتے ہیں۔ خالق اپنی مخلوق کو ہدایت چار ذریعوں سے دیتا ہے۔ پہلا ذریعہ اسے وجدان کہتے ہیں۔ جب کوئی چیز پیدا کی جاتی ہے اسی وقت سے کچھ علم دے دیا جاتا ہے۔ وہ علم جو پیدائش کے وقت ہی مل جائے آپ کہہ سکتے ہیں کہ وجدان کے ذریعے سے ملا ہے مثلاً بکری کا بچہ ابھی چند دنوں کا ہے۔ سبزی کھانے کو دو گے کھا لے گا، گوشت مار مار کر بھی کھلانا چاہو گے تو نہیں کھائے گا۔ یہ علم اس کو کب ملا کہ سبزی تجھ پر حلال ہے گوشت حرام۔ یہ علم پیدائش کے وقت ہی اس کو دے دیا گیا۔ اس کے برخلاف شیر کا بچہ گوشت کھالے سبزی کسی صورت نہیں۔ اسے بھی یہ علم پیدائش کے وقت ہی دے دیا گیا مگر یہاں آپ کہیں گے کہ جناب ہمیں اپنی زندگی گزارنے کے لیے جتنی Knowledge جتنا علم چاہیے وجدان کی رہنمائی تو ہمارے لیے صفر کے برابر ہے۔ آپ صحیح کہہ رہے ہیں انسان کے معاملے میں وجدان کی رہنمائی نہ ہونے کے برابر ہے۔ انسان کے لیے وجدان کا دائرۂ کار بہت محدود ہے اور وہ معاملات جو وجدان کے دائرہ کار سے باہر ہوں ان میں ہدایت کا دوسرا ذریعہ یعنی حواس انسان کی انگلی پکڑ کر اسے آگے لے کر چلتے ہیں مثلاً آپ راہ میں چلے جا رہے ہیں آپ کے سامنے کوئی گڑھا آ جاتا ہے۔ یہاں وجدان نہیں بلکہ حواس آپ کی آنکھیں یہ علم آپ کو فراہم کریں گی۔ کہ سامنے گڑھا ہے بچ کر گزر رو۔ آپ پھر وہی بات کریں گے کہ جناب ہمارے حواس کی بھی تو ایک حد ہے۔ ایک حد سے آگے کی چیز کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ ایک حد سے آگے کی آواز کو ہمارے کان نہیں سن سکتے۔ بات صحیح ہے ہمارے حواس کی بھی ایک حد ہے اور وہ معاملات جو حواس

Marfat.com

کے دائرہ کار سے باہر ہوں ان میں جب رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے تو ہدایت کا تیسرا ذریعہ عقل انسان کو علم فراہم کرتی ہے۔ جہاں وجدان ساتھ چھوڑ دے حواس آگے لے کر چلتے ہیں اور جہاں حواس ساتھ چھوڑ دیں عقل آگے لے کر چلتی ہے۔ مجھے کہنے دیجیے کہ جس طرح سے وجدان کا دائرہ کار محدود ہے، جس طرح حواس کا دائرہ کار محدود ہے اسی طرح عقل انسانی کا بھی دائرہ کار محدود ہے اور وہ معاملات جو عقل انسانی کے دائرہ کار سے باہر کے ہوں ان میں ہدایت کا چوتھا ذریعہ وحی انسان کو آگے لے کر جاتا ہے۔ جہاں وجدان ساتھ چھوڑ دے حواس آگے لے کر چلتے ہیں جہاں حواس ساتھ چھوڑ دے عقل آگے لے کر چلتی ہے اور جہاں عقل ساتھ چھوڑ دے وہاں وحیٔ الٰہی انسان کی اُنگلی پکڑ کر اسے آگے لے کر چلتی ہے۔

آپ نے دیکھا یہ چاروں علم کے ذرائع جو ہیں وہ الف سے ی تک خالق ہی کے دیے ہوئے ہیں۔ اس عنایت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ انسان کبھی کبھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ فلاں فلاں علم میں نے اپنی تگ و دو تلاش و جستجو سے حاصل کیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ نہیں۔ وجدان، حواس، عقل اور وحی کا اگر سہارا نہ ہو تو انسان میں اور جمادات میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ ہمیں اپنی زندگی میں قائم رہنے کے لیے ہماری جتنی بھی حاجتیں ہیں سب کی سب وہی پوری کر رہا ہے اور یہ بھی دیکھیں کہ ہمارے لیے جو چیز جتنی زیادہ ضروری ہے وہ ہمیں اتنی ہی آسانی اور فراوانی سے دے رہا ہے۔ آیئے چند مثالوں پر غور کر لیتے ہیں۔ سب سے پہلی ہماری ضرورت تحفظ کی ہے۔ پیدا ہونے کے بعد یہ سب سے اہم ضرورت ہے کہ ہم کسی تحفظ میں رہیں۔ ورنہ زندہ رہنا ہی ممکن نہ ہوگا۔ سو تحفظ کے لیے اس نے یہ کیا کہ ہم جس گود میں آ رہے ہیں اس کے دل میں ہماری اتنی محبت ڈال دی کہ اس سے خراش لگنے کا بھی ہمیں خطرہ نہیں ہوتا۔ وہ چوٹ اپنے اوپر لے لیتی ہے اور اپنے بچے کو بچا لیتی ہے۔ ماں کے دل میں ہماری جو محبت ہے وہ ہمارے

Marfat.com

پیدا کرنے والے نے اس کے دل میں ہمارے تحفظ کے لیے ڈالی۔ اگر یہ محبت وہ اس کے دل میں نہ ڈالتا تو پیدا ہوتے ہی وہ مار ڈالتی۔ نہیں چھوڑتی کیونکہ اس کی وجہ سے بہت درد اور کرب میں مبتلا رہی۔ جس نے ہماری ماؤں کے دل میں ہماری محبت ڈالی ہے اسی زاویے سے ذرا سوچیں کہ وہ خود ہم سے کتنی محبت کرتا ہوگا۔ پھر یہی نہیں کہ اس نے صرف ماں کے دل میں محبت ڈالی ہے بلکہ ہمارا واسطہ جس جس سے پڑتا ہے سب کے دلوں میں محبت ڈال کر اس نے ہمیں محفوظ کر دیا۔ ورنہ ماں چھوڑتی باپ مار دیتا۔ چچا، ماموں، بھائی مار ڈالتے۔ میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ ایک پیدا ہونے والے بچے کو جسے تحفظ کی شدید ضرورت ہوتی ہے اس کی محبت پوری انسانیت کے دل میں ڈال کر اسے وہ محفوظ کر دیتا ہے۔ تجربہ کرنا ہے تو کرلیں۔ آپ سڑک کے کنارے جا کر بیٹھ جائیں لوگ دیکھیں گے اور گزر جائیں گے۔ کوئی شناسا گزرے گا تو وہ بھی حال چال پوچھ کر چلتا بنے گا۔ اب آپ ایسا کریں کہ آپ جہاں بیٹھے تھے وہیں ایک دو ماہ کے بچے کو ڈال دیں اور دیکھیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اب ہر گزرنے والے کا قدم رک جائے گا اسے فکر ہوگی کہ یہ بچہ یہاں کیسے پڑا ہوا ہے کہیں یہ کوئی پتھر اُٹھا کر منہ میں نہ ڈال لے۔ کہیں کوئی کیڑا نہ اسے کاٹ لے۔ تھوڑی ہی دیر میں اس بچے کے گرد ایک مجمع لگ جائے گا اور ہر شخص اس کی فکر میں ہوگا۔ کیا یہ جو مجمع میں لوگ کھڑے ہیں اس کے رشتے دار ہیں، نہیں۔ ایک پیدا ہونے والے بچے کی محبت میں پوری انسانیت کے دل میں ڈال کر اسے محفوظ کر دیتا ہے۔ بلکہ تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ نوزائیدہ معصوم بچوں کو جنگلی درندوں تک نے گزند نہیں پہنچائی۔ یہ تو ہوئی پیدا ہوتے ہی انسان کی پہلی ضرورت کی بات آگے چلیے تحفظ کے بعد ہماری دوسری اہم ضرورت غذا ہے۔ تو غذا کا معاملہ کچھ یوں ہے کہ ہم اس کے بھروسے پر ایک دانہ زمین میں ڈالتے ہیں سینچتے ہیں، نگہداشت کرتے ہیں وہ ہمیں ایک دانے کے بدلے ستر دانے دے دیتا ہے۔ دیکھئے وہ کتنا شفیق اور مہربان ہے۔ ایک

Marfat.com

کے بدلے ستر دینے والا ہے۔ غذا کے بغیر ہماری زندگی کی گاڑی ۲۰-۲۲ دن چل سکتی ہے۔ ہم زندہ رہ سکتے ہیں غذا سے زیادہ ضروری پانی ہے جس کے بغیر چند دن زندگی محال ہو جاتی ہے۔ چونکہ پانی ہمارے لیے غذا سے زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا پانی کا حصول اس نے ہمارے لیے غذا سے زیادہ آسان کر دیا۔ پانی کو بونے کی ضرورت نہیں۔ اس کے پھلنے پھولنے کا انتظار نہیں کرنا ہے۔ اس نے پانی دریاؤں اور چشموں میں بہا دیا ہے۔ آسمان سے برسا رہا ہے۔ جس زمین پر کھڑے ہو وہیں کھودلو نکل آئے گا۔ پانی چونکہ ہماری زندگی کے لیے غذا سے زیادہ ضروری ہے لہٰذا اس کا حصول اس نے غذا سے زیادہ آسان کر دیا۔ پانی سے زیادہ ضروری ہَوا ہے جس کے بغیر تو چند لمحے گزارہ نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ہَوا پانی سے زیادہ ضروری ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ہوا کا حصول پانی سے بھی زیادہ آسان کر دیا۔ ہوا حاصل کرنے کے لیے کسی چشمے یا دریا پر جانے کی ضرورت نہیں۔ اسے حاصل کرنے کے لیے زمین کھودنے کی ضرورت نہیں۔ اس نے ہوا ہمارے نتھنوں سے لگا دی ہے۔

آپ نے دیکھا جو چیز ہماری زندگی کے لیے جتنی زیادہ ضروری ہے وہ ہمیں اتنی ہی آسانی اور فراوانی سے دے رہا ہے۔ آپ ضرورتوں کی بات کرتے ہیں میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ صرف ضروریات ہی نہیں ہمارے پیدا کرنے والے نے تو ہماری پسند اور ناپسند تک کا خیال رکھا ہے۔ وہ ہمیں ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ یہ میری لاڈلی مخلوق انسان ورائٹی پسند ہے۔ ہم اپنی زندگی میں ہر سمت ورائٹی دیکھنا اور حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس نے ہماری زندگیوں کو ورائٹی سے بھر کر ہمارے لیے دلکش بنا دیا ہے۔ ہماری صبح کا ذائقہ الگ ہے، دوپہر کا الگ۔ شام کا الگ، رات کا الگ۔ ہمارے موسم ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔ ہمارے چاروں جانب رنگ برنگی اشیاء پھیلی ہوئی ہیں۔ ہماری شکلیں ایک دوسرے سے مختلف، ہمارے رنگ ایک دوسرے سے جدا،

Marfat.com

ہمارے مزاج ایک دوسرے سے مختلف۔ ہمارے قد و قامت ایک دوسرے سے مختلف۔ الغرض ہم جس طرف بھی نظر ڈالتے ہیں ورائٹیز کا ایک سمندر پھیلا ہوا ہے۔ اگر یہ صبح و شام مختلف نہ ہوتے، اگر ہمارے سارے موسم ایک ہوتے ہر چیز ایک ہی رنگ کی ہوتی، ہماری سب کی شکلیں اور قد و قامت ایک ہوتے تو ہم لوگ اپنی زندگیوں سے بہت جلد بیزار ہو جاتے۔ دنیا میں خودکشیوں کا تناسب بہت زیادہ ہو جاتا۔ ہمارا پیدا کرنے والا جانتا ہے کہ اس کی یہ لاڈلی مخلوق انسان ہرے رنگ کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور فرحت محسوس کرتا ہے یہ تمام انسانوں کے مزاج میں داخل ہے۔ تو شاید آپ تعجب نہ کریں کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ پایا جانے والا بنیادی رنگ ہرا ہے۔ جانتا ہے کہ لال رنگ انسانوں کے مزاج میں اشتعال پیدا کرتا ہے تو یقیناً آپ یہاں بھی تعجب نہیں کریں گے کہ اس دنیا میں کم پائے جانے والے رنگوں میں لال رنگ بھی ہے۔ جس رنگ کو ہم پسند کرتے ہیں وہ اس نے دنیا میں سب سے زیادہ رکھا اور جس رنگ کے اثرات ہم پر منفی ہیں اُس نے دنیا میں کم رکھا ہے اور اگر کہیں رکھا بھی ہے تو اس اہتمام سے رکھا ہے کہ ہرے Background میں سرخ رنگ کے چھینٹے دیے ہیں۔ اب وہی سرخ رنگ پھولوں پر دیکھ کر ہم خوش ہوتے ہیں۔ ایک قدم اور آگے آیئے ایسی چیزیں جنہیں ہم بالکل پسند نہیں کرتے ان کی موجودگی میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہماری بہتری اور بھلائی کا خاص خیال رکھا ہے۔ (ایک ہی مثال لے لیجیے) درد جسے کوئی پسند نہیں کرتا اسے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ایک نعمت کی شکل میں رکھا ہے۔ ہمارے جسم میں کہیں کوئی خرابی ہوتی ہے گھنٹی بجنے لگتی ہے (درد ہونے لگتا ہے) اگر یہ گھنٹی نہ بجتی تو ہم کیا کر لیتے۔ ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے جسم میں کہیں کسی خرابی نے جنم لے لیا ہے۔ پھر یہی نہیں کہ گھنٹی بجنے لگتی ہے بلکہ درد کی یہ گھنٹی وہاں بجتی ہے جہاں خرابی واقع ہوتی ہے۔ یعنی درد ہمیں اپنے جسم کے اندر خرابی کی جگہ کی بھی نشاندہی کر رہا ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی دیکھئے کہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے درد کی کیفیت کو ہمارے لیے اضطرابی بنا دیا ہے۔ اگر ہم اپنے علاج معالجے میں کاہلی برتیں تو درد کی اضطرابی کیفیت ہمیں بے چین کر کے اپنے علاج پر مجبور کر دیتی ہے۔ مندرجہ بالا چند مثالوں سے ہی آپ نے دیکھا کہ ہمارا پیدا کرنے والا کتنا شفیق، مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ اس کی عنایتوں اور بخششوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کے آغوش میں ہم اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔ ان کا شمار ممکن نہیں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ضرورت جو ہمارے لیے غذا پانی، ہوا سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ہمیں اپنے مقصد حیات کا علم ہونا چاہیے۔ جس کے بغیر ہمارا کھانا پینا، سونا، جاگنا ہر عمل ضائع ہو سکتا ہے۔ جس نے ہماری غذا کا بندوبست کیا جس نے ہمارے لیے پانی اُتارا جس نے ہمارے لیے ہوا پیدا کی۔ کیا اس نے ہماری اس سب سے بڑی ضرورت کا انتظام نہ کیا ہوگا۔ اس موقع پر میں اکثر ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک دفتر ہے اس میں جو آفیسر ہے وہ اپنے ماتحتوں کے لیے انتہائی مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ اسی دفتر میں ایک چپراسی ہے جو جاہلِ مطلق ہے۔ لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتا۔ اسے ایک ضرورت آن کر اٹکتی ہے۔ اسے ایک دن کی چھٹی چاہیے لیکن غریب کی مجبوری یہ ہے کہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ چھٹی کے لیے درخواست نہیں لکھ سکتا۔ ایسی صورت میں کیا ہوگا۔ دفتر کا آفیسر بہت مہربان اور مشفق ہے جانتا ہے کہ اس کا چپراسی درخواست نہیں لکھ سکتا۔ اس صورت میں ہوگا یہی ناں کہ وہ مہربان آفیسر جو یہ جانتا ہے کہ اس کا چپراسی درخواست نہیں لکھ سکتا لہٰذا وہ اپنے چپراسی کی درخواست خود ہی لکھ دے گا اور پھر خود ہی اسے منظور کر دے گا۔ بالکل یہی حالت حضرتِ انسان کی اس کائنات کی سب سے زیادہ مہربان اور مشفق ہستی یعنی اپنے پیدا کرنے والے کے روبرو تھی۔ ان کی ایک شدید ضرورت آن کر اٹک گئی تھی کہ ان کا مقصدِ حیات ان کو بتلایا جائے۔ سو ان کے پیدا کرنے والے نے بھی وہی کیا جو اس کی شفقت اور محبت کا تقاضا تھا۔ یعنی اپنے اس جاہلِ مطلق بندے کی درخواست اس

نے خود لکھی اور پھر خود ہی اسے منظور بھی کر دیا۔ کیا آپ نے کوئی ایسی درخواست پڑھی ہے جو اس کائنات کے پیدا کرنے والے نے حضرتِ انسان کی طرف سے خود لکھی ہو اور پھر اسے منظور بھی کر دیا ہو۔ جی ہاں بہت دلچسپ درخواست ہے اور ایسی اچھی درخواست لکھی ہے کہ اس جیسی درخواست لکھنا ممکن نہیں۔ عام طور پر جب کوئی درخواست لکھی جاتی ہے تو ہم کس طرح لکھتے ہیں۔ درخواست کے کچھ آداب ہوتے ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ یک دم اپنے مطلب پر نہیں آیا جاتا۔ بلکہ پہلے القاب لکھے جاتے ہیں۔ القاب میں جس کو درخواست لکھی جاتی ہے دستور ہے کہ اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ مثلاً مکرمی، محترم، قبلہ وغیرہ وغیرہ یعنی آپ بڑے مکرم ہیں۔ آپ محترم ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اب دیکھئے حضرتِ انسان کی طرف سے جو درخواست لکھی گئی اس میں جو القاب لکھے گئے وہ اتنے اچھے القاب لکھے گئے کہ اس سے بہتر القاب لکھنا ممکن ہی نہیں وہ لکھتا ہے الحمد للہ رب العالمین o حمد کہتے ہیں ثنائے جمیل کو اچھی تعریف کو اور ال کا لفظ عربی میں انگریزی کی The کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ الحمد کے معنی یہ ہوئے کہ جتنی اچھی تعریفیں ہو سکتی ہیں ممکن ہیں سب تیرے لیے ہیں تو جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ جب تمام اچھی تعریفیں جو ممکن ہیں سب اس کے لیے لکھ دی گئیں تو اس سے بہتر اور کیا تعریف ہو گی۔ اس سے بڑا القاب نہیں لکھا جا سکتا۔ القاب کی ہی ضمن میں آگے لکھا گیا الرحمٰن الرحیم، تو رحمٰن بھی ہے تو رحیم بھی۔ یہ دونوں الفاظ اس کے رحم و رحمت کی انتہا کے حوالے سے لکھے گئے۔ بعض اوقات کسی شخصیت میں کوئی خاص صفت جب بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی اس صفت کے لیے ہمارے پاس جو لفظ ہوتا ہے وہ جب ہم بولتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اندر وہ صفت اتنی زیادہ ہے کہ ہمارا بولا ہوا لفظ اس کے لیے چھوٹا پڑ رہا ہے۔ مثلاً کسی گورے آدمی کو دیکھ کر جب ہم اسے گورا آدمی

Marfat.com

ہے کہتے ہیں تو لگتا ہے کہ یہ شخص اتنا زیادہ گورا ہے کہ گورے کا لفظ اس کے گورے پن کے لیے چھوٹا پڑ رہا ہے۔ ایسے موقع پر ہم جب اسے گورا چٹا کہتے ہیں تو تسلی ہوتی کہ ہم نے اس کی صفت کو بیان کیا۔ جبکہ معنی کے لحاظ سے گورا اور چٹا دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ جب صفت بہت زیادہ ہوتی ہے تو ہم معنی دو الفاظ بول کر صفت کی زیادتی کو بیان کیا جاتا ہے۔ جب کسی لمبے بھاری بھرکم آدمی کو دیکھ کر لمبا آدمی کہتے تو ہمیں لگتا ہے وہ اتنا لمبا ہے کہ لمبے کا لفظ اس کے لیے چھوٹا پڑ رہا ہے۔ ایسے موقع پر ہم دو ہم معنی الفاظ بولتے ہیں تو تسلی ہوتی ہے کہ ہم نے اس کی لمبائی کو بیان کر دیا ہے اور ہم اسے لمبا تڑنگا آدمی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی رحم اور رحمت کی صفت چونکہ بہت زیادہ ہے اس لیے یہاں رحمٰن و رحیم کے الفاظ ساتھ ساتھ لکھے گئے۔ اس سے آگے بھی مزید القاب کے الفاظ لکھے گئے۔ مالک یوم الدین یعنی روزِ جزا کا بھی تو ہی مالک ہے یہاں پر القاب ختم ہوتے ہیں۔ جب ہم اپنی درخواست میں القاب لکھ چکتے ہیں تب دستور ہے کہ القاب کے بعد لکھنے والا اپنی شناخت دے کہ یہ درخواست لکھنے والا کون ہے۔ جیسے قبلہ محترم، مکرمی کے القاب لکھنے کے بعد لکھا جاتا ہے کہ فدوی آپ کے دفتر میں بحثیت چپراسی کام کرتا ہے۔ یہاں بھی جب القاب لکھے جا چکے تو مالک یوم الدین کے بعد لکھنے والے کی شناخت دی گئی کہ درخواست کس کی طرف سے ہے۔ اس کے لیے لکھا گیا ایاک نعبد وایاک نستعین یعنی ہم تیری عبادت کرنے والے اور تجھ سے مدد مانگنے والے ہیں۔ دستور ہے کہ القاب لکھنے اور شناخت دینے کے بعد پھر اپنے مطلب پر آیا جاتا ہے۔ مثلاً مجھے ایک دن کی چھٹی دی جائے۔ یہاں بھی حضرتِ انسان کی طرف سے جو درخواست لکھی گئی اس میں پہلے القاب لکھے گئے۔ پھر درخواست گزار کی شناخت دی گئی پھر اس کے بعد اس کے مطلب اس کی غرض پر آیا گیا۔ اس کے لیے آیت اھدنا الصراط المستقیم لکھی گئی۔ ہدایت دے کہ میرے لیے سیدھا راستہ کون سا ہے آپ نے دیکھا یہاں بھی

Marfat.com

اھدنا یعنی ہدایت ہی مانگی جا رہی ہے۔ اس کے پس پردہ بھی وہی بات ہے کہ مجھے ہدایت دے کر میرے لیے سیدھا صحیح راستہ کون سا ہے۔ مجھے جانا کدھر ہے۔ بات وہی ہے ہم انسان اپنی عقل سے فیصلہ پر نہیں پہنچ پا رہے ہیں کہ ہمارے لیے سیدھا اور صحیح راستہ کون سا ہے۔ جب عام درخواست میں آپ ایک دن کی چھٹی لیتے ہیں تو درخواست ختم نہیں ہو جاتی بلکہ مانگی جانے والی چھٹی کی بھی وضاحت دینی ضروری ہوتا ہے کہ کسی دن کی کی تاریخ کی چھٹی مانگ رہے ہو۔ اس طرح تمام انسانوں کی طرف سے جب درخواست میں سیدھے راستے کی ہدایت مانگی گئی تو یہاں بھی ضروری تھا کہ وضاحت کی جائے کہ کون سا راستہ پوچھ رہے ہو۔ سو مانگے جانے والے راستے کی وضاحت کے ضمن میں لکھا گیا صراط الذین انعمت علیھمo غیر المغضوب علیھم و لا الضالینo یعنی وہ راستہ ان لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ جو معتوب نہیں ہوئے بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔ یوں یہ ایک مکمل درخواست حضرتِ انسان کی طرف سے خالقِ کائنات نے خود لکھی۔ پہلے القاب لکھے گئے پھر لکھنے والے کی شناخت دی گئی پھر وہ اپنے مطلب پر آیا۔ پھر اس کے مطلب کی وضاحت کی گئی۔ ابھی بھی درخواست مکمل نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ لکھنے والا درخواست کے آخر میں اپنے دستخط بھی کرے ورنہ درخواست نہیں مانی جائے گی۔ اگر درخواست گزار پڑھا لکھا نہیں۔ دستخط نہیں کر سکتا تو انگوٹھا لگائے۔ سو یہاں بھی درخواست کے آخر میں ایک لفظ لکھا گیا آمین۔ یہ حضرتِ انسان کا انگوٹھا لگا ہوا ہے۔ آمین کے معنی بھی تسلیم کرنے کے ہوتے ہیں۔ آپ کوئی بات کریں اور اس پر میں آمین کہہ دوں تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ میں نے اس کی تصدیق کر دی۔ اس پر اپنے دستخط کر دیے۔

اس درخواست میں حضرتِ انسان نے اپنے خالق و مالک سے جو سیدھے راستے

Marfat.com

کی ہدایت مانگی ہے تو آپ خود بتائیں یہ ہدایت اسے کیا وجدان کے ذریعے سے دی جاتی۔نہیں جناب یہ معاملہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔وجدان تو کیا حواس تو کیا عقل کے دائرہ کار سے بھی باہر کا ہے۔صرف چوتھا ہدایت کا ذریعہ وحی باقی رہ جاتا ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی منظوری میں بذریعہ وحی پورا کلام پاک نازل فرمایا اور اسی درخواست کی منظوری میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہمارے درمیان مبعوث فرمایا۔آپ خاتم النبیین ہیں۔روزِ قیامت تک آپ کی دی ہوئی شریعت بنی نوع انسان کے لیے کافی ہے اور آخری ہے۔حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے ہر زمانے میں قوموں کے لیے انبیاء کرام مبعوث ہوتے رہے جو اس زمانے کے لیے حسب حال ہے۔تمام برگزیدہ رسولوں میں سب سے زیادہ فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔انسانیت کے کمال کا دار و مدار بھی آپ ہی کی اتباع میں مضمر ہے۔آپ وجہِ تخلیق کائنات ہیں۔

ہدایت کے مضمون میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ خالق اپنی مخلوق کو چار ذریعوں سے ہدایت دیتا ہے۔وجدان، حواس، عقل اور وحی۔دنیا میں موجود دیگر مخلوقات پر جب آپ نظر ڈالیں گے تو وہ جمادات ہیں، نباتات ہیں، حیوانات، انسان ہیں اور انبیاء کرام ہیں۔جمادات مخلوق کی ابتدائی شکل کہی جاسکتی ہے۔چونکہ جمادات مخلوق کی ابتدائی شکل ہے لہٰذا خالق کائنات نے اسے ہدایت کی پہلی منزل یعنی صرف وجدان پر ہی رکھا۔تمام جمادات میں وجدان کے علاوہ حواس و عقل وغیرہ موجود نہیں۔جمادات کے بعد وہ مخلوق کی دوسری ترقی یافتہ شکل پیدا کرتا ہے یعنی نباتات، نباتات میں بھی آپ دیکھیں گے کہ ان کی ساری گزر بسر وجدان پر ہی ہے لیکن چونکہ وہ ترقی یافتہ شکل ہے سو نباتات کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی دوسری منزل سے کچھ روشناس کرایا۔یوں سمجھ لیں کہ ان میں حواس

کے چھینٹے دیے گئے ہیں۔ نباتات کے سائنسی مطالعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ان میں تھوڑے تھوڑے حواس پائے جاتے ہیں۔ بنگالی سائنس دان بسو کو اسی تحقیق کی بنیاد پر نوبل پرائز سے نوازا گیا تھا۔ اس نے سائنس کی رو سے یہ ثابت کیا تھا کہ نباتات میں بھی حواس پائے جاتے ہیں۔ نباتات کے بعد دنیا میں مخلوق کی تیسری ترقی یافتہ شکل پیدا کی گئی وہ ہیں حیوانات۔ جمادات و نباتات چونکہ مخلوقات کی ابتدائی اشکال ہیں سو ان کی ساری گزر بسر بھی ہدایت کے پہلے ذریعہ یعنی وجدان پر رکھی گئی۔ چونکہ حیوانات، نباتات و جمادات سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق کی شکل ہے اس لیے ان کی گزر بسر ہدایت کے دوسرے ذریعے یعنی حواس پر رکھی گئی۔

ایک بات یہاں غور طلب ہے وہ یہ کہ جس طرح سے نباتات میں ہدایت کے اگلے ذریعے یعنی حواس کے چھینٹے ہیں اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ حیوانات جن کی ساری گزر اوقات حواس پر مگر ان میں ہدایت کی اگلی منزل یعنی عقل چھینٹے ہیں۔ گویا جیسے جیسے مخلوق کی ترقی یافتہ اشکال پیدا کی جارہی ہیں انہیں ویسے ویسے ہدایت کی اگلی منزلوں سے روشناس کیا جارہا ہے۔ حیوانات کے بعد وہ مخلوق کی اگلی ترقی یافتہ شکل پیدا کرتا ہے یعنی انسان۔ اب منطق کیا کہتی ہے انسان کی گزر اوقات کس پر ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے یہ حیوانات سے اگلی ترقی یافتہ شکل ہے سو اس کی گزر بسر عقل پر ہونی چاہیے۔ سو آپ دیکھیں گے کہ معاملہ ایسا ہی ہے انسانوں کی گزر بسر عقل پر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جس طرح نباتات میں ہدایت کی اگلی منزل یعنی حواس کے چھینٹے ہیں اور جس طرح حیوانات میں حواس سے اگلی منزل یعنی عقل کے چھینٹے ہیں اس طرح ان انسانوں میں بھی ہدایت کی اگلی منزل وحی کے چھینٹے ملتے ہیں۔ کشف اور القا وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ انسانوں کے بعد خالقِ کائنات مخلوقات کی اگلی انتہائی ترقی یافتہ شکل پیدا

Marfat.com

کرتا ہے۔ وہ ہے گروہِ انبیاء علیہ السلام اب آپ ہی بتائیں انبیاء کرام کی گزر کس پر ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہدایت کی آخرل منزل ہے ''وحی'' اور حقیقت میں انسان ہی ہے۔ یہاں ایک بات اور نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ ہم نے دیکھا کہ تمام حیوانات کی گزر بسر حواس پر ہے مگر حیوانات میں حواس کی تقسیم برابر نہیں کسی حیوان میں حواس کا عنصر کم ہے تو کسی میں زیادہ۔ اگر تمام حیوانات کو یکجا کیا جائے تو یقیناً کوئی ایک حیوان ایسا ہوگا جو حواس کے معاملے میں چوٹی (Climax) پر موجود ہوگا۔ اسی طرح اور آگے آئیے دیکھئے انسانوں کی گزر اوقات عقل پر ہے مگر آپ یہاں بھی دیکھیں گے کہ تمام انسانوں میں عقل کی تقسیم برابر نہیں۔ کسی شخص میں عقل کم تو کسی میں زیادہ ہے۔ اگر تمام انسانوں کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو یقیناً کوئی ایک انسان ایسا ضرور ہوگا جو عقل کے معاملے میں سب سے آگے ہوگا۔ اسی طرح صنف انبیاء کرام میں وحی کا Distribution برابر نہیں۔ یقیناً تمام نبیوں اور رسولوں میں کوئی ایک ضرور ہوگا جو وحی کے معاملے میں وحی کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہوگا۔ وہی ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ ان کے سوا اور کوئی نہیں۔ آپ نے سیڑھی تو دیکھی ہوگی کسی سیڑھی کا پہلا Step کس لیے بنایا جاتا اس لیے کہ دوسرے Step پر پہنچا جا سکے۔ دوسرا اس لیے بنایا جاتا ہے کہ تیسرے Step تک پہنچا جا سکے اور تیسرا Step اس لیے ہوتا ہے کہ آخری Step تک پہنچا جا سکے۔ اگر آخری Step تک پہنچنا مقصود نہ ہو تو نیچے کے Step بنائے ہی نہ جائیں۔ اس زاویے سے بھی ہم کہتے ہیں کہ خالقِ کائنات کو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو وہ کسی کو پیدا نہ کرتا۔ آپ کی ذات وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔

لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الافلاک

آپ علمِ الٰہی، ارادۂ الٰہی اور احکامِ الٰہی کی صورت ہیں۔ آپ افضل البشر اور

Marfat.com

خلاصۂ موجودات ہیں۔ اہلِ ایمان کی آپ ہی کی اتباع سے ظاہری اور باطنی مدارج تک رسائی ممکن ہے۔ آپ بلحاظِ تخلیق اوّل اور بلحاظِ ظہور آخر ہیں۔

آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔

وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ o (الانبیاء ۲۱، آیت ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔

آپ تمام انسانوں کے لیئے نذیر اور بشیر بنا کر بھیجے گئے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا o

اے نبی یقیناً ہم نے آپ کو گواہ بنا کر خوشخبریاں سنانے والا آگاہ کرنے والا بھیجا ہے۔ (الاحزاب، آیت ۴۵)

آپ کی ذات ایمان والوں کے لیئے نمونہ ہے۔

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا o

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہؐ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔ (الاحزاب، آیت ۲۱)

آپ اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کی طرف بلاتے تھے۔

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا مَا كُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ o

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ○ (الشوریٰ، آیت ۵۲)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں بیشک آپ راہ راست کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ اس اللہ کی راہ کی جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی ہر چیز ہے۔ آگاہ رہو سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

آپ سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ آپکو جھٹلانے والوں کو ضرور سزا دیگا۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ
نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ○ (المومن، آیت ۷۷)

تو (اے پیغمبر) صبر کرو اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اگر ہم تم کو کچھ اسمیں سے دکھا دیں جس کا ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں (یعنی کافروں پر عذاب نازل کریں) یا تمہاری مدتِ حیات پوری کر دیں تو اُنکو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

آپ بُرا وقت آنے سے پہلے صاف صاف خبردار کرنے والے تھے۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○

(اے پیغمبر) کہہ دو لوگو! میں تم کو کھلم کھلا نصیحت کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آپکو شاہد۔ مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ (الحج، آیت ۴۹)

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ○

اور ہم نے (اے محمد) تم کو حق ظاہر کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور خوف دلانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ (الاحزاب، آیت ۴۵)

Marfat.com

آپ تمام انسانوں پر رسول بنا کر بھیجے گئے۔

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۝ (الفرقان، آیت ۱)

وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کو ہدایت کرے۔

آپ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں ہیں۔

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ۝ (البیّنہ، آیت ۲)

اللہ کے پیغمبر جو پاک اوراق پڑھتے ہیں جن میں مستحکم (آیتیں) لکھی ہوئی ہیں۔

آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم اور ہدایت پائے تھے۔

قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ۝ (سبا، آیت ۴۸)

کہہ دو کہ میرا پروردگار اوپر سے حق اتارتا ہے (اور وہ) غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

آپ پر وحی الٰہی آتی تھی۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡ الِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا ۝ (الکہف، آیت ۱۱۰)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ (ہاں) میری جانب

Marfat.com

وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

آپ کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے راہِ راست بتانے کی ذمہ داری پوری کر دی۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَ نَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآئَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (المآئدہ، آیت ۲)

اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آ پہنچا ہے۔ جو تمہارے لئے صاف صاف بیان کر رہا ہے تا کہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی، برائی سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی رشد و ہدایت پر مامور آخری نبی ہیں۔

آپ خاتم النبین ہیں۔ آپؐ کے بعد اب قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئیگا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

(لوگو!) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبیوں (کی نبوت) کی مُہر (یعنی) اس کو ختم کر دینے والے ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (الاحزاب ۳۳، آیت ۴۰)

کتب جن سے استفادہ کیا گیا

(۱) قرآنِ کریم

(۲) معرکہ مذہب و سائنس — مولانا ظفر علی خاں

(۳) ہماری کائنات — سیّد قاسم محمود

(۴) کائنات اور اس کا انجام — فضل کریم

(۵) A history of the Conflict between religion and science — ولیم ڈریپر

(۶) تشکیلِ انسانیت — رابرٹ بریفالٹ
ترجمہ: مولانا عبدالمجید سالک

(۷) فلسفہ سائنس اور کائنات — ڈاکٹر محمود علی سڈنی

(۸) من کی دنیا — ڈاکٹر غلام جیلانی برق

(۹) یورپ پر اسلام کے احسان — ڈاکٹر غلام جیلانی برق

(۱۰) مدارج السلوک — ڈاکٹر میر ولی الدین

(۱۱) رابطۂ شیخ — پیر عبداللطیف خان نقشبندی

(۱۲) بیعت کی تشکیل و تربیت — پیر عبداللطیف خان نقشبندی

(۱۳) سرِ دلبراں — حضرت شاہ سیّد محمد ذوقی

(۱۴) قرآن اور کائنات — حاجی غلام حسن

(۱۵) کتاب الروح — علامہ حافظ ابن قیم

(۱۶) حجۃ اللہ البالغہ — شاہ ولی اللہ

(۱۷) روحانیتِ اسلام — مولانا الحاج کپتان واحد بخش

Marfat.com

ماورائے آب و گِل

سعید الظفر صدیقی

Marfat.com